TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222776

UNIVERSAL LIBRARY

OUP—67—11-1-68—5,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ د ۳۱ د Accession No. U 554

Author فروغ، مہدی رسیل

Title دیوان فروغ

This book should be returned on or before the date last marked below.

دیوانِ مجروح

میر مہدی مجروح

هو الجلیل

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

دیوان مجروح

یعنی

گوہر دریائے سخن۔ ماہر رموزِ فن

جناب میر مہدی صاحب مجروحؔ دہلوی مرحوم

شاگرد رشید

حضرت نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان غالبؔ

حسب فرمائش

عبد العزیز تاجر کتب لاہور

مطبع کریمی میں چھپا

قیمت

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-7

ہوالجمیل

میر مہدی مجروحؔ دہلوی

میر مہدی حسین نام حسن و عشق ازلی کے زخم خوردہ مجروحؔ تخلص کرتے تھے۔ شاعری والد کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی۔ ان کا خاندان مغلوں کی آخری بہار میں ایران سے آیا تھا۔ سادات نجیب الطرفین صاحب اخلاق حسنہ علم و فضل میں یگانہ ہونے کی وجہ سے دربار میں علاوہ مصاحبت کے مورچہ جنبانی نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھی۔ سن پیدائش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ غدر میں پچیس ۲۵ سالہ جوان تھے۔

بچپن میں نہایت سرخ و سفید۔ حیادار فرغلی آنکھوں کے مالک تھے جوانی میں خوش رو۔ خوشخو نوجوان تھے۔ لباس ٹھیٹھ دلی والوں کا پہنتے تھے۔ پچ گوشیہ ٹوپی۔ ڈھاکے کے ڈوروئیے کا نیچی چولی کا انگرکھا۔ اس کے نیچے گلشن کا کرتہ۔ ہروقت عطر میں تربتر رہتے تھے۔ اور یہی وضع مرتے دم تک نبھا گئے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں پائی کیونکہ سارا خاندان دولت علم و فضل سے مالامال ہو رہا

تھا۔ ان کے والد بہت بڑے عالم اور نزاکت آفریں شاعر تھے۔ چچا میر حسن فارسی نثر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ برادر شفیع میر سرفراز حسین جن کے نام حضرت غالب کے مکتوبات بھرے پڑے ہیں عربی فارسی کے شہر بھر میں ایک مستند عالم مانے جاتے تھے۔ ایسے گلدستہ کے ایک پھول میر مہدی حسن مجروح بھی تھے لڑکپن سے ہی شاہد سخن کی پرستاری شروع کر دی تھی۔ ذرا ہوش سنبھالا تو بزرگوں کے ساتھ ذوق و غالب و مومن و صہبائی کے جلسے اور بزم آرائیاں دیکھیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے شعر و سخن کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

چنانچہ اسی جذبۂ شوق اور بیتابیٔ طبیعت کی مناسبت نے حضرت غالب تک پہنچایا۔ بھلا خیال کرنا چاہیئے کہ جس نخلِ بار آور کی ترقی میں حضرت غالب جیسے اُستاد کا ہاتھ کارفرمائی کرے۔ اُسکی بلندی اور حسن کہانتک پہنچا ہوگا۔ مگر دنیا میں بہت پھول ایسے ہیں جو کسی کی گردن کا ہار ہونیسے اپنی جڑ میں مرجھا کر فنا ہو جانا بہتر سمجھتے ہیں چند ساعت کیلئے اپنے حسن کو کسی کے طرّہ کیلئے ضایع نہیں کرتے بلکہ دنوں نسیم سحری کے ساتھ ساتھ کھلتے پھرتے ہیں۔

میر صاحب کی شاعری پیشہ نہ تھی۔ خداداد لطف تھا۔ طبیعت کا ذوق تھا۔ جو شعروں میں اپنے معنے اور نزاکت بیان کرتا تھا۔ اس کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے۔ کچھ تھوڑا سا پتہ اردوئے معلےٰ اور عود ہندی سے لگتا ہے جہاں جگہ جگہ حضرت غالب جیسا نقاد۔ پھر میر صاحب کا اُستاد۔ میر صاحب کے ساتھ اس انداز سے باتیں کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوق سے۔ برابر کا سخن فہم اپنے راز دار سخن سے۔

ہنگامۂ غدر کی ویرانی نے حضرت مجروح کو دلی سے نکال دیا تو پانی پت محلہ انصار میں ایک عرصہ تک قیام کیا۔ اس زمانہ میں مرزا غالب اور میر صاحب ممدوح کی خط و کتابت ایک افسانہ ہے۔ انہیں خطوط میں ایک جگہ میر صاحب کی طرزِ تحریر کی داد اس طرح دیتے ہیں۔

"میر مہدی جیتے رہو۔ آفرین صد ہزار آفرین۔ اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھکو رشک آنے لگا ہے۔ سنو۔ دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطے میں گئی ہے۔ یہ طرزِ عبارت خاص میری دولت تھی! سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا۔ مگر میں نے اس کو بھی کہا اللہ برکت دے۔"

میر صاحب کی شاعری دلی میں جوان ہوئی۔ غدر نے بلبل کو چمن سے نکالا تو پانی پت میں انصار نے مدتوں نفرت کی۔ زمانہ ذرا سنبھلا تو ریاست الور میں اپنے بھائی کے پاس چلے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تحصیلدار رہے۔ قدر دان مہاراجہ شودیان سنگھ کا انتقال ہوا تو ریاست جے پور میں کچھ دن کاٹے آخر اسی اُجڑے دیار دلی میں آ گئے۔ غدر سے پہلے مال و متاع لٹا تھا اس دفعہ دلی نے دولت بصارت بھی چھین لی اور باقی عمر کا حصہ اسیطرح گذار دیا۔

حضرت مجروح کی شاعری کی نسبت زیادہ بحث کرنے کی یہاں گنجایش نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ مرزا غالب کی اردو شاعری کی نسل انہیں سے چلتی ہے۔ باقی سب شاگرد فارسی میں اُستاد ہوئے۔ حضرت مجروح

کے حصہ میں میر تقی اور میر حسن کا رنگ آیا۔ انہیں کی زبان اور انہیں کا کلام اُن کو پسند تھا۔ ہر وقت اسی میں محو رہتے تھے۔ فارسی ترکیبیں اور بڑی بڑی بحروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سادگی اور نزاکت پر جان دیتے تھے۔ مرزا غالب کا مشہور شعر ہے ؎

حُسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

اسی مضمون کو میر صاحب نے کس خوش آہنگی اور خوبی سے ادا فرمایا ہے ؎

کج ادائی یہ سب ہمیں تک تھی
اب زمانے کو انقلاب کہاں؟

انصاف اہلِ انصاف کے ہاتھ ہے۔ ظاہر بیں آنکھیں شاید چمکدار الفاظ نہ ہونے کی وجہ سے حیران ہو جائیں۔ غرضکہ اسی طرح کے اشعار سے دیوان پُر ہے۔ وہ مضامین جن کو شعرا ہزاروں بندشوں اور الفاظ کے اینچ پینچ کے ذریعہ قابو میں لاتے ہیں۔ میر صاحب ایک بات کہہ کر چُپکے ہو جاتے ہیں اور مطلب ادا کر جاتے ہیں۔ نثر میں بھی مرزا غالب کے پیچھے پیچھے اُڑتے تھے۔ اور خوب لکھتے تھے۔ اردوئے معلّٰی کا دیباچہ اب تک گواہی

دیتا ہے۔ قصیدہ کا بھی یہی حال ہے۔

غدر کے عبرت خیز واقعہ نے میر صاحب کو بہت دل برداشتہ کردیا تھا۔ غزل تقریباً ترک کردی تھی۔ سلام اور نعت وغیرہ کہتے اور سفر آخرت کے لئے توشہ تیار کرتے رہتے۔ اگر غزل لکھتے تو اس میں بھی اکثر اشعار اسی رنگ میں ہوتے۔ اسی ولولہ نے زیارات کربلا و نجف اشرف سے مشرف کرایا۔ ہر وقت بزرگان اسلام کی مدح سرائی میں وقت گذارتے۔

دیوان مطبوع اکثر احباب کی فرمائش سے اُن کے دوست میرن صاحب نے نہایت محنت سے تیار کیا تھا۔ کیونکہ میر صاحب تو ان باتوں کو بھلا چکے تھے۔ اس کے علاوہ مجموعہ سلام اور ایک دو قصائد ائمہ کی تعریف میں علیحدہ بھی شایع ہوئے۔ ایک مثنوی بڑی محنت سے لکھی تھی وہ بھی علیحدہ شایع کی گئی۔ مگر اب یہہ سب چیزیں ناپید ہیں اور جس شخص کی جگہ مرزا غالب اور اہل دہلی کے دل میں تھی۔ آج کاغذوں پر بھی نظر نہیں آتی اور شاید چند دن یہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوسکے کہ مجروح کون تھے۔ فاعتبرو یااولی الابصار۔

آخر اس دار فانی سے رخت آخرت باندھا اور جہاں کی اس میں مدتوں سے پابہ رکاب تھے۔ سدھارے۔ سن ۱۳۲۱ھ ہجری ہوگا۔

درگاہ قدم شریف میں سپرد خاک کیا۔ تاریخ ان کے شاگرد رشید جناب نواب احمد سعید خاں صاحب طالب دہلوی نے لکھی اور کندہ کرادی۔

وحید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاتحِ کارِ جہاں نام ہے یزداں تیرا
قاطعِ شرک ہے اوّل ہی سے پیماں تیرا

جنت و کوثر و طوبیٰ و قصور و انہار
کچھ نہیں مانگتا وہ جو کہ ہے خواہاں تیرا

خوانِ شاہانِ جہاں کی نہیں پروا اُسکو
سیر رہتا ہے سدا جو کہ ہے مہماں تیرا

کیوں نہ ہر رنگ مذاہب کے ہوں انساں پیدا
خانۂ دہر ہے گویا کہ گلستاں تیرا

جانتا ہے تری رحمت نہ رکھے گی محروم
جمعِ خاطر نہ ہو کس طرح پریشاں تیرا

لڑکھڑاتے ہیں تری راہ میں رسولوں کے قدم
کیسے حولوں سے ہے لبریز بیاباں تیرا

وہ ترا ملک ہے جسکو کہ نہیں بیم و زوال
دستِ تاراج سے ایمن ہے گلستاں تیرا

زخمیِ عشق وہ کامل ہے کہ لذت پائے
جب نمک ریز ہو زخموں پہ نمکداں تیرا

ذاتِ اقدس سے تری کاربرارِ عالم
زرفشاں سب پہ ہے گنجینۂ احساں تیرا

طور و موسیٰ کی حقیقت پہ نہیں کرتے نظر
دیکھنا کیا ہی سمجھ رکھا ہے آساں تیرا

سلسلہ گر متناہی ہو تو آگاہی ہو
نہ تو اول ترا معلوم نہ پایاں تیرا

کیوں نہ مہماں ہوں ترے خوانِ کرم پر دونوں
سچ ہے بندہ ہے ہر اک گبر و مسلماں تیرا

ہیں رضامند ہوں تو دوزخ و جنت جو دے
ایک ہے عدل ترا دوسرا احساں تیرا

اوّل و آخر و پیدا و نہاں سب تو ہے
جلوہ ہر رنگ میں تازہ ہے ہر اک آں تیرا

جنتی جانتے ہیں آپ کو اہل دوزخ
ہے یہ تسکین فزا لطف فراواں تیرا

جن و انسان و ملک ہیں ترے در کے ساجد
کیوں نہ ہو واجب تعمیل ہے فرماں تیرا

مایۂ نطق زباں ہے سو عطا ہے تیری
کون ہے منہ سے ہو **مجروح** ثناخواں تیرا

ثنا و حمد ایزد ہو رقم کیا
ہمارا ناطقہ کیا اور ہم کیا

مجھے درپیش ہے توصیف وحدت
مرکب سے کروں اُس کو رقم کیا

حیات اپنی ہے وابستہ نفس سے
عطائے خاص ہو یہ دمبدم کیا

نہیں کثرت سے کچھ نقصان وحدت
محیط اک قطرہ میں ہوتا ہے کم کیا

جو ہے موجود ہر جا اُس کا طالب
کریں پابندی دیر و حرم کیا

زباں نکتہ سنج سحر پرداز
بیاں اس کا کرے فیض اتم کیا

بھلا اک قطرہ ناچیز موہوم
کرے پیمایش پہنائے یم کیا

یہاں لاتقنطو ورد زباں ہے
گناہوں کی فراوانی کا غم کیا

ترحم طالب طاعت نہیں ہے
مرا محتاج ہے اُس کا کرم کیا

گیاہ خشک لب ہے چشم براہ
بھلا اب دیر ہے ابر کرم کیا

جبیں فرسودگان درگہ قدس
یہ کہتے ہیں کہ ہے اکلیل جم کیا

وہاں سے گنج زر ملتا ہے بے رنج
طلب سے دیتے ہیں اہل کرم کیا

زبان و نطق سب اُسکے دیئے ہیں
کریں اُس کا ادائے شکر ہم کیا

وجودِ نیستی پر اسقدر ناز
بھلا پیدا ئیے نقشِ قدم کیا

دم شمشیر پر ہے راہِ الفت
اُٹھیں اسے حضرت موسیٰ قدم کیا

زباں مجروح کی اور حمد باری
سمائے گا بھلا قطرہ میں یم کیا

اللہ رے نور روئے تجلی نقاب کا
ہر ذرہ کر دیا ہے نظر آفتاب کا

یہ کس سے ہو سکے ہے بجز فیض مصطفیٰ
جو معصیت میں رنگ دکھائے ثواب کا

ہے بانگ دور باش ادب بہر فرش عرش
روضہ ہے یہ جناب رسالت مآب کا

کچھ ماجرا نہ مُہر نبوت کا پوچھئے
نقطہ ہے حق کے یہ قلم انتخاب کا

اُمی ہوا اگرچہ بظاہر یہ اصل میں
کشاف ہے حقائق ام الکتاب کا

کریں بہت سے جرم اکھٹے کہ حشر میں
ہونا ہے سامنا کرم بے حساب کا

لو آؤ نور وادیٔ ایمن کو دیکھ لو
سرکا ہے روئے پاک سے گوشہ نقاب کا

الطاف حق نے بارش رحمت رکھی سدا
سایہ ہٹا نہ آپ کے سر سے سحاب کا

حاضر ہیں ہم سوال کریں منکر و نکیر
یاں حب احمدی ہے خلاصہ جواب کا

ہم بھی تو خواجہ تاش ہیں بگڑیں کسطرح
تھاما ہے جبرئیل نے حلقہ رکاب کا

رحمت خدا کی عام ہے نبی شافع انام
پھر خوف کس لئے ہو حساب و کتاب کا

یثرب کی راہ تھم کے کہیں پوچھتا نہیں
اللہ رے شوق اس دل پُر اضطراب کا

اُس ابر مرحمت کی ترشح ضرور ہے
دوزخ بنا ہوا ہوں تف سینہ تاب کا

اُفتادگی کسی کی نہ تھی آپ کو پسند
سایہ اسی لئے نہ پڑا اُس جناب کا

قتلِ علی کا شور جو ہے آسمان تک
آیا ہے لب پہ نام مرے کس جناب کا

کیسی تعب فشار کی کیسا عذاب قبر
مرقد میں چین سے ہے محب بوتراب کا

خورشید نار کیوں نہ کرے گوشۂ لحد
یہ داغ عشق ہے خلعت بوتراب کا

عذر گنہ میں سمع خراشی سے فائدہ
دفتر ہے دیکھ لو مرے حالِ خراب کا

حاضر ہو جب خودی تو حضوری کہاں سے ہو
ہم ہو گئے ہیں آپ ہی باعث حجاب کا

چشم کرم دریغ نہ ہو اُس سے یا نبی
مہدی کو آسرا ہے تمہاری جناب کا

ہمسر جہاں میں کب ہے رسولِ کریم کا
ثانی کبھی ملا نہیں دُرِّ یتیم کا

وہ گلشن وقار کہ جس کے درخت پر
ہے آشیانہ بلبلِ سدرہ مقیم کا

وہ شاہ عدل دوست کہ یہ بند و بست شرع
ہے اک نمونہ آپ کی رائے سلیم کا

وہ ہادی الطریق کہ جس کے کلام کا
ہر حرف رہنما ہے رہِ مستقیم کا

حاکم وہ اس جہان میں ہر جن و انس پر
قاسم وہ دین میں ہے نعیم و جحیم کا

مشتاق کلیم تھا سو رخِ پاک شاہ نے
جلوہ دکھا دیا اُسے حسن قدیم کا

فرش رہ حضور ہو اُس کی یہ جاہ ہے
رتبہ بلند کیوں نہ ہو عرش عظیم کا

اُلفت ہی سی کچھ ہوا نفس عیسوی کی ہے
یثرب سے آگیا کوئی جھونکا نسیم کا

آؤ در حضور پہ اے طالبان حق
رستہ دکھا رہا ہوں رہِ مستقیم کا

اب فکر کیا شفاعت و رحمت سے ایک جا
نائب بھی ہے کریم خدائے کریم کا

حضرت کے واسطے سے نہ کی التجائے دید
مقصود کس طرح سے بر آتا کلیم کا

ہر اک بقدر ظرف سے اُس در سے کامیاب — وہ ذات پاک چشمہ ہے فیض عمیم کا

مجروح اہل کیں کی عداوت سے کیا غرض
تو تو محب ہے آل نبی کریم کا

وصف کیا ہو بیاں محمّد کا — ہے خدا مدح خواں محمّد کا
عرش اس کو سمجھ نہ روح امیں — یہ تو ہے آستاں محمّد کا
تھی زمیں عرش کی نہ ہم پہلو — سایہ پڑتا کہاں محمّد کا
حامل عرش بھیجتے ہیں درود — نام آیا جہاں محمّد کا
بات میں مردہ کو جلاتا ہے — لب معجز بیاں محمّد کا
ہے بہت کہنہ ورنہ کہتے ہم — فرش ہے آسماں محمّد کا
ہوا آہن گداز قلب عرب — معجزہ ہے بیاں محمّد کا
باہمہ قرب حق ہے روح امیں — خادم آستاں محمّد کا
ہے وہ راز نہاں کا گنجینہ — حال ہو گیا عیاں محمّد کا
ہے وہ ذات خدا میں مستغرق — حق ہے جو ہے بیاں محمّد کا
بال جلتے ہیں واں فرشتوں کے — ہے گذرگہ جہاں محمّد کا

فخر بس ہے یہی کہ اے مجروح
تو ہوا مدح خواں محمّد کا

ہے فلک آستاں محمّد کا — ہے ملک پاسباں محمّد کا
چپ ہوا ہے سبحان فلک — ہو رہا ہے بیاں محمّد کا

لوگ کہتے ہیں لامکاں جس کو — ہے وہیں تو مکاں محمد کا
جز خداوند ایزد متعال — کون ہے رتبہ داں محمد کا
دل میں پتھر کے نقش پا دیکھو — حشر تک ہے نشاں محمد کا
ہو بھگانا جہاں سے شیطاں کا — نام لے لو وہاں محمد کا
اس کی کاشف ہو خود شب معراج — فرش ہے آسماں محمد کا
اسم اعظم کی ہی تلاش تو رکھ — نام وردِ زباں محمد کا
دیکھ سکتا ہے ہمکو دوزخ میں — کب دلِ مہرباں محمد کا
کرتا پُر زر رہے دامن اُمید — دست گوہر فشاں محمد کا

تخت شاہی سے کام کیا مجروح
میں ہوں اور آستاں محمد کا

یاں کیوں نہ سائباں ہو نور الہ کا — روضہ ہے یہ جناب رسالت پناہ کا
پیہم ہے بسکہ ریزش انظار زائراں — ہے فرش صحن خاص میں تار نگاہ کا
محشر میں دیکھ جوشش شفاعت حضور کا — طاعت بھی ڈھونڈھتی ہے وسیلہ گناہ کا
حضرت کی یاد و حسرت دیدار ہے یہاں — غائت یہ دل کی ہے وہ نتیجہ نگاہ کا
دریائے بیکراں ہے صفات محمدی — جبریل اس میں قصد نہ کرنا شناہ کا
شقِ قمر بھی اس نے کیا ردِ شمس بھی — مالک شہ رسل ہے سپید و سیاہ کا
وہ پیک چرخ جس کا لقب ہے مہ منیر — داغی غلام ہے یہ تری بارگاہ کا
ہوں جس زمیں پہ بال ملائک بچھے ہوئے — وہ ہی نشاں سمجھئے مدینہ کی راہ کا

حضرت کی راہ فقر میں ہی فرش جا بجا
دارا کی شوکتوں کا سکندر کی جاہ کا

حیران عقل کیوں نہ ہو وصف حضور میں
دریائے پر خروش میں ہے برگ کاہ کا

امید شست و شو ترے ابر کرم سے ہے
نامہ بہت سیاہ ہے اس روسیاہ کا

رحمت بہانہ جو ہے گنہگار کے لئے
بخشش ہے واں جواب لب عذر خواہ کا

کیا اس کے آگے دشمن شیطاں نسب تھمے
لشکر ہے یہ خدیو ملائک سپاہ کا

کیا رہبری کی اس سے رکھینگے امید ہم
پیر و خضر ہی خود ہے مرے خضر راہ کا

مجروح سر کو قیصر و دارا سے کیوں جھکائے
یہ بھی تو ہے غلام شہ دیں پناہ کا

لیا جب نام ہمنام خدا کا
سنا مژدہ حصول مدعا کا

جھکیں سر کیوں نہ یاں گردن کشوں کے
یہ در ہے شہسوار لافتا کا

ہوئے روشن جو ایسے چشم خورشید
لگایا سرمہ کیا اس خاک پا کا

ہوا یہ لحمک لحمی سے ثابت
کہ حیدر جزو تن ہے مصطفا کا

ہوئے کعبہ میں جب پیدا یداللہ
قوی بازو ہوا خیر الورا کا

وہ نکلے قتل مرہ کو دو انگشت
نشاں پھر دیکھ لیجے لافتا کا

نہ جھلکے کیونکہ نور لاتناہی
وہ آئینہ ہے ذات کبریا کا

بفرمانِ خداوند دو عالم
علی ہے نفس ناطق مصطفا کا

نہ کیوں زور یداللہی دکھائے
یہ پنجہ ہے شہ خیبر کشا کا

جسے کہتے ہو تم ناموس اکبر
وہ خادم ہے علی مرتضا کا

عدو کے خوں کا سینہ پر سماں ہی ہے ۔۔۔ کھلا جوہر یہ تیغ برق زا کا
نہیں تصویر بھی اُس کی ٹھہرتی ۔۔۔ یہ نقشہ ہے سمند تیز پا کا
ہوئے سب عقدۂ دشوار آساں ۔۔۔ لیا ہے نام کیا مشکل کشا کا
خدایا ساتر عصیان مجروح ۔۔۔ سدا دامن رہے آلِ عبا کا

یہ دل شایق ہے اُسکے روئے روشن کی زیارت کا ۔۔۔ کہ جو ہے مہر انور بارہویں برج امامت کا
امام مہدیٔ ہادی سرور سینۂ زہرا ۔۔۔ دل و جان نبی نور بصر شاہ ولایت کا
اگر ظاہر کرے وہ احتساب دین و دنیا کو ۔۔۔ تعجب کیا جو بت پڑھنے لگے کلمہ شہادت کا
جہاں کو تنگ کر رکھا ہے اہل کفر و بدعت نے ۔۔۔ دکھا ان کو نمونہ شاہ مرداں کی شجاعت کا
پڑے یہ غلغلہ جب ذوالفقار حیدری چمکے ۔۔۔ کہ حق ظاہر ہوا اب کوچ ہو اہل ضلالت کا
دکھا برقع کشا اس چہرۂ پرنور کو یا رب ۔۔۔ شب ظلمات زحمت میں چمکا نور راحت کا
اُٹھا دیگا عمل عالم سے سب کشورستانوں کا ۔۔۔ ولایت گیر ہے وہ لخت دل شاہ ولایت کا
امامت اور شاہی ہو مبارک جاں نثاروں کو ۔۔۔ کہ گنج نذر کے ہے ہمراہ گنجینہ سعادت کا
نبی ہوں مقتدی جنکے امام و پیشوا وہ ہیں ۔۔۔ ہنسی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے کیا منصب امامت کا
قطعہ
ہوا پیدا جہاں حضرت کے نور جد امجد سے ۔۔۔ قدم سے آپ کے وابستہ ہو آنا قیامت کا
غرض خلاق عالم نے پیمبر کے گھرانے کو ۔۔۔ کیا باعث زمانہ کی ہدایت اور نہایت کا
امام عصر کی غیبت میں یہ اک سر نہاں ہے ۔۔۔ کہ تا ہو حال ظاہر منکر و اہل ارادت کا

غلاموں میں رہے محسوب یہ مجروح یا مولا
یہ خادم آپکا خواہاں ہے ہر دم اس عنایت کا

کوئی آسماں کیا سوا ہوگیا
کہ افزوں نزول بلا ہوگیا

وہ جاتے ہیں دامن بچائے ہوئے
تجھے جرأت شوق کیا ہوگیا

ڈرو نالۂ حسرت آلود سے
غضب ہوگیا گر رسا ہوگیا

نہ ہلنے دیا مہر صیاد نے
رہا قید میں گو رہا ہوگیا

کبھی میرے دل سے نکلتا نہیں
یہ غم تو مزا وصل کا ہوگیا

ہوئے بال و پر بند اب ہمکو کیا
اگر عقدۂ دام وا ہوگیا

بڑھے اور بھی بخت کی تیرگی
اگر سر پہ ظلِّ ہُما ہوگیا

لگا ہاتھ میں کس کا شور آب اشک
جو پھیکا سا رنگ حنا ہوگیا

کہا میں نے ایجاں تو بولے چہ خوش
کہو کب سے میں بیوفا ہوگیا

وہ آئیں یہاں اک نئی بات ہے
تجھے بخت بد آج کیا ہوگیا

کیا حال دوری جواں کو رقم
تو ہر حرف خط کا جدا ہوگیا

کھٹکتا ہے پہلو میں دن رات دل
یہ پیکاں ترے تیر کا ہوگیا

کھلا جب سیہ نامہ میرا تو پھر
شب تار روز جزا ہوگیا

ہیں اُس تند خو سے یہ گستاخیاں
تمھو تم کو مجروح کیا ہوگیا

وہ مرے پاس گر آئے بھی تو پھر کیا ہوگا
یہی ہوگا کہ کوئی خون تمنا ہوگا

زندگانی ہے تو کیوں دیکھنا اُن کا ہوگا
گردِ ہستی سے مرے بیچ میں پردا ہوگا

کہنے ہیں کونسا مطلب تجھے کہنا ہوگا
اور ہوا بھی تو کوئی شکوۂ بیجا ہوگا

اے خوشا بخت جو معشوق کو دیکھے ہمدوش
آرزو خیز غضب خواب زلیخا ہوگا

اپنا عشاق میں ہم مرتبہ اسدم جانوں
جب یہ سمجھوں کہ کوئی دوسرا تمسا ہوگا

سخت مضطر دل ہنگامہ طلب ہے یارب
آج ہی کیوں نہ وہ ہو جائے جو فردا ہوگا

دیدہ دجلہ فشاں اشک فشانی کبتک
اُن کو اک یہ بھی نہ آنے کا بہانا ہوگا

ہر طرف ہمکو یہاں بوئے وفا آتی ہے
یہ تو مرقد کسی مقتول جفا کا ہوگا

نالہ نیم شب و آہ سحر ہیں سب بے کار
کوئی ہنگام بھی تاثیر دعا کا ہوگا

تا کجا یہ دل پُر شرم نہ ہوگا گستاخ
جب کہ ہر ناز ترا حوصلہ فرسا ہوگا

اور ہے کون جو پاس اُس کے ذرا جا نکلے
ہاں مگر دم ترے عاشق کا نکلتا ہوگا

نہ ہٹے دشنۂ جانگیر مرے پہلو سے
شب فرقت میں اسی کا تو سہارا ہوگا

اپنی ہنگامہ فزائی کو رکھے گا محشر
وہ ہی فتنہ جو تری چشم سے پیدا ہوگا

صبح گو ہو شب وعدہ مگر آنا کیسا
ابھی وہ بننے سنورنے میں خود آرا ہوگا

ہائے وہ دن کہ شب وصل ہر اک کھٹکے پر
اُن کا گھبرا کے یہ کہنا کہ بس اب کیا ہوگا

رشک اعدا تو مسلم ہے ولے سچ یہ ہے
جب وہ اپنا نہ ہوا دوست تو کس کا ہوگا

آہ جس درد کے انجام میں پھٹتا ہے جگر
پھر وہ آغاز میں فرمائیے کیسا ہوگا

یہ مرا عقدۂ دل بند قبا ہے تیرا
جز تمہارے یہ کسی اور سے کب وا ہوگا

طعنہ غیر سُنے دوریٔ جاناں دیکھے
اے فلک اور تو اب اسکے سوا کیا ہوگا

فرش رہ دیدۂ مجنوں ہیں زمیں پر یارو
کیونکہ نقش قدم ناقۂ لیلا ہوگا

شوق کہتا ہے اُسے دیکھ تو لو ہمرۂ غیر
رشک کہتا ہے مجھے کب یہ گوارا ہوگا

یہ نشاں یاد رکھو تم کہ مرے نامہ میں — خوں میں ڈوبا ہوا ہر حرف تمنا ہوگا
اُس کی شوخی وہ بلا اُس کا تڑپنا یہ کچھ — کب تصور کا ترے دل میں ٹھہرنا ہوگا

نہ تو دنیا ہی میسر ہے نہ دیں کے اسباب
ہائے **مجروح** کہاں تیرا ٹھکانا ہوگا

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ غل ہے آہ و زاری کا — وہ اب پہلا سا ہنگامہ نہیں ہے بیقراری کا
طلب کیسی بلانا کیا وہاں خود جا پہنچتے ہیں — اگر عالم یہی چندے رہا بے اختیاری کا
وہاں وہ ناز و عشوہ سے قدم گن گن کے رکھتے ہیں — یہاں اس منتظر کا وقت پہنچا دم شماری کا
کبھی چشم خمار آلود کی مستی نہیں دیکھی — بجا ہے حضرت ناصح کو دعویٰ ہوشیاری کا
بھلا کیا ایسی روتی شکل پاس آ کر کوئی بیٹھے — اُٹھے آخر وہ جھنجلا کر بُرا ہوا اشکباری کا
عجب کیا ہے کہ قاصد بھول جائے اُسکا لیجانا — لکھوں جس نامہ میں شکوہ تری غفلت شعاری کا
مثال نخل دیکھا ہے اُسی کو پھولتے پھلتے — کیا جس شخص نے حاصل طریقہ خاکساری کا
ہر اک شے کا ہے اندازہ مگر پایاں نہیں ہرگز — تری غفلت شعاری کا مری امیدواری کا
زبس آنکھوں میں رنگت چھا رہی ہے لالہ و گل کی — خزاں میں لطف آتا ہے ہمیں فصل بہاری کا
کبھی سر پاؤں پہ رکھنا کبھی قربان کہہ اٹھنا — ہمیں تھوڑا سا ڈھب آتا تو ہے مطلب براری کا

چھپا کل گوشۂ میخانہ میں **مجروح** نے دیکھا
یونہی شہرہ سنا تھا شیخ کی پرہیزگاری کا

موسےٰ نہ غش میں آئیو اک بار دیکھنا — آساں نہیں ہے یار کا دیدار دیکھنا
محفل طرازیاں وہ کہاں اب تو کام ہے — گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

ساقی کی چشم مست کا گردور ہے یہی
زاہد کو آج کل ہی میں مے خوار دیکھنا

ہیں بعد مرگ بھی وہی آنکھیں کھلی ہوئیں
عاشق کی اپنے حسرت دیدار دیکھنا

گر چشم تر کی ہیں یہی خوننابہ باریاں
اس گھر ہی میں لگا گل و گلزار دیکھنا

ہے کس سے تاک جھانک کہ خالی نہیں ہو یہ
سوراخ در سے آپ کا ہر بار دیکھنا

چندے یونہی ہے عشق زلیخا کی گر کشش
یوسف کو آج کل سر بازار دیکھنا

ہو قہر یا کہ مہر کوئی یہ بھی ڈھنگ ہے
سو بار منہ کو پھیرنا سو بار دیکھنا

قطعہ

میں اپنی جاں پہ کھیل کے کل قتل گاہ میں
کہنے لگا کہ قاتل خونخوار دیکھنا

کیا قتل کرنے میں یہی انصاف شرط ہے
بے جرم دیکھنا نہ گنہگار دیکھنا

کہنے لگا یہ سن کے وہ شوخ ستیزہ کار
آجاؤ تم بھی ہو جو کوئی وار دیکھنا

اس امر کو تو اس نے کیا اسقدر محال
آساں ہے مرگ اور ہے دشوار دیکھنا

ظاہر ہے یہ کہ جاذب شبنم ہے آفتاب
کافی ہمیں ہے یار کا اک بار دیکھنا

میں ہوں جو بیقرار تو معذور جانیئے
آساں نہیں ہے دل کا گرفتار دیکھنا

سر رکھ کے اُس کے زانو پہ رویا وہ ماہوش
یار و عدو کے طالع بیدار دیکھنا

شاید ہمارے دل کے اُڑانے کی فکر ہے
خالی نہیں ہے اُن کا یہ ہر بار دیکھنا

برگ گیاہ ہو نہیں سکتا حریف برق
مجروح کی طرف نہ کہیں یار دیکھنا

بے عدو وعدہ قتل کا نہ ہوا
ظلم بھی حسب مدعا نہ ہوا

روکنا اُس کا سہل تھا لیکن
شوق ہی جرأت آزمانہ ہوا

کیا شکایت کریں رقیبوں کی — وہ ہی جب ہم سے آشنا نہ ہوا
تھی گرہ بسکہ آرزوئے وصال — سر مرا تیغ سے جدا نہ ہوا
مجھکو درکار تھے ہزاروں دل — ایک دل وقف ہر ادا نہ ہوا
یوں تو سو بار واں گئے لیکن — ڈھب ہی کچھ عرض شوق کا نہ ہوا
نہ سہی دل جگر کے پار ہوا — تیر تو آپ کا خطا نہ ہوا
یاس اس درجہ ہوگئی ہے کہ اب — وصل بھی آرزو فزا نہ ہوا
ہم نے ایجان سدا کہا اُس کو — خیر گذری وہ بے وفا نہ ہوا
یوں نکلتا نہ اُن کی محفل سے — ہائے میں اپنا مدعا نہ ہوا
کتنا نا آشنا ہے وہ جس کا — لب سے شکوہ بھی آشنا نہ ہوا
کیا رعایت جفا کی ہے اس کو — وعدۂ قتل بھی وفا نہ ہوا
کام آئی شکر لبی اُن کی — جب مرا لب ملا جدا نہ ہوا
تھا در یار میرا عقدۂ دل — لاکھ تدبیر کی پہ وا نہ ہوا
ہے بلا خیز وہ رہ الفت — خضر بھی جس میں رہنما نہ ہوا
ظلم بیجا ہیں اُس کے سب لیکن — کون یہ کہہ سکے بجا نہ ہوا
چیر کر سینہ داغ دکھلائے — تم کو اب بھی یقین کیا نہ ہوا
ہم بھی پابند وضع تھے کتنے — مر گئے اُن سے پر گلا نہ ہوا

اُس کے تمکین ناز سے مجروح
لطف کچھ چھیڑ چھاڑ کا نہ ہوا

آنا ترا یہاں نہ مروت سے دور تھا
ذرہ کو آفتاب بنانا ضرور تھا

سارا یہ اپنی چشم دوبیں کا قصور تھا
ورنہ ہر ایک جزو میں کل کا ظہور تھا

کہتے ہیں درد ہجر سے کیوں مرگئے نہ تم
لو اور سُنیئے یہ بھی ہمارا قصور تھا

تم اک جھلک نہ دیکھ سکے ورنہ اے کلیم
وہ جلوہ برق افگن صد کوہ طور تھا

اعدا کا گھر سمجھ کے مرے گھر وہ آگئے
جاگے نصیب یوں کہ نشہ میں وہ چور تھا

بے وقر مجکو روز کے جانے نے کردیا
اخلاص رفتہ رفتہ بڑھانا ضرور تھا

زاہد کا زہد دیکھ لیا ہے مآل ایک
میں مست بادہ اور وہ مست غرور تھا

دیوانہ بن کے مطلب اصلی کیا حصول
مجنوں بھی عاقلوں میں بہت ذی شعور تھا

اُس حور وش کے عشق سے مانع ہوا مجھے
واعظ کی آج عقل میں بیشک فتور تھا

اُس تندخو سے رنجش بیجا کا کیا گلہ
وہ کب کہے گا یہ کہ ہمارا قصور تھا

ہم سے رہا جو دور نہیں یار کا قصور
برہمزن امور دل ناصبور تھا

کیونکر رہ حصول مقاصد نکالتے
مانع ادھر ادب تو اُدھر کو غرور تھا

بے عشق شیخ کیونکہ پہنچتا حضور تک
نزدیک تھی جو راہ سو اُس سے وہ دور تھا

کامل ہو جذب اور وہ نہ آئے محال ہے
یہ شوق ناتمام کا اپنے قصور تھا

گو مر گئے پہ یار تو ہے بدگماں ہنوز
بہتان یہ بندھا کہ اسے شوق حور تھا

مجروح حال بد کو چھپاتا رہا سدا
مفلس ضرور تھا پہ نہایت غیور تھا

بہتر یہ ہے کہ اُس کا نہ انداز دیکھنا
ورنہ ہزار فتنہ کے درباز دیکھنا

ابتک بھی یہ خیال پریشاں ہی عرش سیر
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

بے بادہ اک نگاہ میں بیہوش کر دیا
اُس چشم نیم مست کا انداز دیکھنا

دہوکے میں وہ صنم مرے گھر میں خود آگیا
ہمدم ذرا یہ کار خدا ساز دیکھنا

شوریدگان عشق کو دیوانہ کر دیا
مرغ ترانہ سنج کی آواز دیکھنا

میری جو آج ہے شب وعدہ تو بند ہے
کل شام ہی سے یار کا در باز دیکھنا

بیگانہ ہوکے یار لگاوٹ ہے ایک سی
اُس شوخ فتنہ ساز کا انداز دیکھنا

یہ دل لگی کا بھید نہ کھل جائے اور پر
اُس کی طرف نہ بزم میں ہمراز دیکھنا

دم میں جلایا خرمن صبر و شکیب کو
اُس برق وش کا شعلہ آواز دیکھنا

صیاد جور پیشہ کو شاید نہیں پسند
مرغ چمن کو زمزمہ پرداز دیکھنا

پیر مغاں نے پہلو میں اپنے بٹھا لیا
مجروح مے پرست کا اعزاز دیکھنا

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجکو بُرا جانا
سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا

اک عمر کے دکھ پائے سوتے ہیں فراغت سے
اے غلغلہ محشر ہم کو نہ جگا جانا

مانگوں تو سہی بوسہ پر کیا ہے علاج اسکا
یاں ہونٹ کا ہل جانا واں بات کا پا جانا

گو عمر بسر اس کی تحقیق میں کی تو بھی
ماہیت اصلی کو اپنی نہ ذرا جانا

کیا یار کی بدخوئی کیا غیر کی بدخواہی
سرمایہ صد آفت ہے دل ہی کا آجانا

کچھ عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا
میں نے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

اک شب نہ اُسے لائے کچھ رنگ نہ دکھلائے
اک شور قیامت ہی نالوں نے اُٹھا جانا

چلمن کا اُلٹ جانا ظاہر کا بہانہ ہے
اُن کو تو بہر صورت اک جلوہ دکھا جانا

ہے حق بطرف اُس کے چاہے سو ستم کر لے
اُس نے دل عاشق کو مجبور وفا جانا

انجام ہوا اپنا آغاز محبت میں
اس شغل کو جاں فرسا ایسا تو نہ تھا جانا

مجروح ہوئے مائل کس آفت دوراں پر
اے حضرت من تم نے دل بھی نہ لگا جانا

ہجر میں طرفہ ماجرا دیکھا
زلیست میں موت کا مزا دیکھا

جب اُسی کو نہ جلوہ زا دیکھا
پھر یہ کہئے کہ ہم نے کیا دیکھا

اُس کی نیرنگ سازیاں ہیں غضب
قہر بھی آرزو فزا دیکھا

ہجر کے رنج وصل کی راحت
لطف ہر ایک کا جدا دیکھا

جس کی جا ہی نہیں ان آنکھوں نے
جلوہ اُس کا ہر ایک جا دیکھا

دل کے لینے میں کیا ادا کیا ناز
ایک سے ایک کو سوا دیکھا

آسمان و زمین کا ہے فرق
ماہ سے اُس کو کب ملا دیکھا

ہر تمنائے مردہ ہے زندہ
کس کا یہ روئے جانفزا دیکھا

زخم کاری لگا دیا اُس نے
نہ تڑپنے کا کچھ مزا دیکھا

اُس کے کوچے کے جلد جانے میں
پاؤں سے آگے نقش پا دیکھا

عشق بیگانہ وار کے صدقے
دل کو جس میں نہ آشنا دیکھا

جان بھی مفت میں گئی مجروح
دل لگانے کا کچھ مزا دیکھا

گو ہر اک حال ہے واں ہم سے چھپایا جاتا
رنگ محفل کا پر اچھا نہیں پایا جاتا

واں مرا نامہ نہ کیوں پُرزے اُڑایا جاتا
خط تقدیر کو کس طرح مٹایا جاتا

محفل یار میں کیا مجمع اغیار رہوا
یوں جو تاکید سے ہے ہم کو بُلایا جاتا

ناتوانی مری ان روزوں ہے اس زوروں پر
کہ تصور میں نہیں یار کے جایا جاتا

غم کے کھانے سے فراغت ہی نہیں ہو ورنہ
ہم سے کیا زہر بھی فرقت میں کھایا جاتا

دل لگی کی کوئی صورت ہی نہ تھی کعبہ میں
ہیں صنم خانہ میں کیونکر نہ خدایا جاتا

مژدہ اے ذوق شہادت کہ بن آئی اب تو
زہر میں خنجر قاتل ہے بجھایا جاتا

لاکھ گو جمع ہیں ساماں طرب انگیزی کے
کنج غم بھی تو نہیں چھوڑ کے جایا جاتا

مجمع عام میں مانند زلیخا ہرگز
ہم سے تو یار کو اپنے نہ دکھایا جاتا

حامل بار امانت فقط انساں ٹھہرا
سچ ہے یہ بار کسی سے نہ اُٹھایا جاتا

بھولے بھولے سے جو رہتے ہو کہو خیر تو ہے
یہ تو کچھ عشق کا انداز ہے پایا جاتا

سوزش دل کو تو ہوتا نہیں مطلق آرام
گرچہ دریا ہے ان آنکھوں سے بہایا جاتا

نقص تھا جن و ملک میں جو نہ ہوتا انساں
اشرف خلق بھلا کس کو بنایا جاتا

رند میخوار ہے مجروح یہ کیونکر مانوں
وضع سے اُس کی تو ایسا نہیں پایا جاتا

عدو پہ ہے یہ لطف دمبدم کیا
ہوئے وہ آپ سے قول قسم کیا

ملیں اُس تند خو سے جا کے ہم کیا
یہ سچ ہے آب و آتش ہوں بہم کیا

ذرا ذرہ کی تم تعداد دیکھو
ہمارا بیش و کم کیا اور ہم کیا

کھڑے ہیں چوگرمی بھولے جو آہو
نظر اُن کا پڑا انداز رم کیا

نہاں ہر شکر میں ہے سو شکایت
مگر سمجھیں گے وہ طرز رقم کیا

وہ میری لاش پر بولے یہ ہنسکر
بھلا صاحب ہمیں دیتے ہو دم کیا

جھپکنا آنکھ کا منزل رساں ہے
یہاں سے دور ہو ملک عدم کیا

معطر ہیں غضب جھونکے ہوا کے
کھلی ہے اُنکی زلف خم بہ خم کیا

مزا ہے جب کہ خم منہ سے لگا ہو
ہمارے کام کا ہے جام جم کیا

جَچیے سو بار اک بوسہ جو دیکر
وہ جانے شیوۂ اہل کرم کیا

کہا میں نے کہ مرجاؤں تو بولے
کہ تم جیسوں کے مرجانے کا غم کیا

جفا بھی بے محل ہے مدعی پر
وہ کیا جانے کہ ہے لطف ستم کیا

نہ ملنے کی قسم کھاتی تو بولے
ارے تو کیا ہے اور تیری قسم کیا

وہ اک بوسہ پہ بھی لیتے نہیں دل
بھلا قیمت کریں اس سے بھی کم کیا

ہوا قرب خدا چھوڑی خودی جب
کریں ہم اپنے مرجانے کا غم کیا

ہمارے دل سے پوچھو اُسکی لذت
رقیبوں کو بھلا ذوق ستم کیا

کہا سچ حضرت ناظم نے مجروح
ہماری زندگی کیا اور ہم کیا

کل نشہ میں تھا وہ بت مسجد میں گر آجاتا
ایماں سے کہو یارو پھر کس سے رہا جاتا

مردے کو جلا لیتے گرتے کو اُٹھا لیتے
اکدم کو جو یاں آتے تو آپ کا کیا جاتا

یہ کہئے کہ دھیان اُس کو آتا ہی نہیں ورنہ
محشر سے تو سو فتنے وہ دم میں اُٹھا جاتا

محفل میں مجھے دیکھا تو ہنس کے لگے کہنے
آئینے سے ہر اک کے ہے صحبت کا مزا جاتا

ایذائیں یہ پائی ہیں مقدور اگر ہوتا
میں رسم تعشق کو دنیا سے اُٹھا جاتا

کیوں پاس مرے آکر یوں بیٹھے ہو منہ پھیرے
کیا لب ترے مصری ہیں میں جنکو چبا جاتا

کیا جلوہ نما وہ مہ کوٹھے پہ ہوا آکر
کچھ آج سویرے سے سورج ہے چھپا جاتا

یہ کاہشیں کیوں ہوتیں گھبرا کے اگر یہ دل
پہلو سے نکل جاتا آرام سا آجاتا

اچھا ہوا محفل میں مجروح نہ کچھ بولا
وہ حال اگر کہتا تو کس سے سُنا جاتا

تصور رُخِ جاناں میں شب یہ حال ہوا
کہ رشک خواب زلیخا مرا خیال ہوا

بچے کلیم ہوا طور جل کے خاک سیاہ
کہیں وہ جلوہ جمال اور کہیں جلال ہوا

تمہاری چال کے فتنوں کی کس کو آگاہی
یہ اُس سے پوچھئے دل جس کا پائمال ہوا

وہ مجھ سے کہتے ہیں تو نام تو بتا اپنا
تمام عمر کی محنت کا یہ مآل ہوا

کہا جو اُسکے لب شکریں کو لعل خوش آب
تو کیسا فرطِ غضب سے وہ مجھ پہ لال ہوا

یہاں کمال کی وقعت کہاں ہے بدر کو دیکھ
پھنسا وہ نقص میں جب صاحب کمال ہوا

نظر فریب نہیں کوئی حسن گندم گوں
مگر زمانہ میں ان صورتوں کا کال ہوا

فروغ حسن نے تیرے یہ اُسکو کاہش دی
کہ بدر رشک سے گھٹ گھٹ کے ہے ہلال ہوا

شروع شکوہ ادا میں اسقدر خفگی
یہ ایسی بات تھی کیا جس کا یہ ملال ہوا

اسی کا نام ہے آنا تمہیں کرو انصاف
کہ آکے بیٹھتے ہی جانے کا سوال ہوا

دل اُس کے وصل سے محروم ہی رہا سچ ہے
وہ بے نصیب ہے جو طالب محال ہوا

حواس باختہ ہیں تن بدن کا ہوش نہیں
ترا جدائی میں مجروح کیا یہ حال ہوا

چھپانا اُن سے دل کو فائدہ کیا
بھلا چھوڑے گی وہ بانکی ادا کیا

نہ تھے تم غیر کے گھر سچ ہے لیکن
یہ چرچے ہو رہے ہیں جا بجا کیا

میں عاشق ہوں یہ تم بھی جانتے ہو
پھر اس کا ہر گھڑی ہی پوچھنا کیا

بپا محشر ہیں ہے اک تازہ محشر
رُخ جاناں سے پردہ اُٹھ گیا کیا

وفا ہی میں نہ ہو جب اپنے تاثیر
تو اُس کی بیوفائی کا گلا کیا

یہاں تو جان ہی پر آبنی ہے
تری وہ ہی چلی جاتی ہے کیا کیا

چلے تو ہیں کہ دیکھ آئیں صنم کو
مگر دیکھیں دکھاتا ہے خدا کیا

دل و جاں صبر و طاقت جا چکے سب
فلک ہوگا بس اب اسکے سوا کیا

کہا جب دل نہ لیجاؤ تو بولے
کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا

بہار باغ روح افزا ہے لیکن
شگفتہ ہو دل درد آشنا کیا

نہ کہہ سکتے ہیں یار اُس کو نہ دشمن
نہیں معلوم ہے یہ ماجرا کیا

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی
نہ پوچھو حسرتیں ہیں مجکو کیا کیا

مرا خط دیکھ کے قاصد سے پوچھا
مری فرقت میں وہ جیتا رہا کیا

رُکاوٹ ہم سے اور سب سے لگاوٹ
شرارت چیز ہے اُس کی حیا کیا

نہ ہو مجروح جب قاتل نمک پاش
تو پھر زخموں کے کھانے کا مزا کیا

حرف الباء

اُس سے نبھنے کے کچھ نہیں اسباب
وہ تغافل شعار و میں بیتاب

واجب القتل ہے دلِ بیتاب
کشتہ ہونا بھی خوب ہے سیماب

ابر کی تیرہ گی ہیں ہم کو تو
سوجھتا کچھ نہیں سوائے شراب

اپنی کشتی کا ہے خدا حافظ
پیچھے طوفاں ہو سامنے گرداب

بوسہ مانگا تو یہ جواب ملا
سیکھئے پہلے عشق کے آداب

اُسکو پھرتا ہے ڈھونڈھتا ہر سو
کیونکہ آنکھوں سے اُڑ نہ جائے خواب

دردِ الفت جو ہوتے ہی مرتے
یہ اذیت نہ کھینچتے احباب

نہیں ممکن کہ جمع ہوں دونوں
ساقی مہروش شب مہتاب

سامنے اُسکے جو ٹھہر جائیں
نہیں بیتابیوں میں اتنی تاب

اہلِ عالم سے چاہتا ہوں وفا
اُس کا طالب ہوں جو کہ ہے نایاب

عشق کے ساتھ ہی گئے دل و دین
آ گئی سیل بہ گیا اسباب

صاف فقرے ہوں اور ہمیں پر ہوں
شیوہ اچھا تو ہے مرا آداب

ہوتی گر اس جہاں میں کچھ خوبی
کہتے کیوں پھر صفت میں اسکی خراب

آزمانا نہ دل کو سختی سے
ٹوٹ جائے نہ یہ دُرِ نایاب

کس طرح بحرِ عشق سے نکلوں
یہ تو دریا کہیں نہیں پایاب

شعلہ حسن تیرا کیا کہنا
پھونکدے اُس کے پردہ ہائے حجاب

اُس کی شوخی کا ہے تعجب کیا
حسن یہ کچھ اور اُس پہ عین شباب

غالب آئے ہیں لاؤ اسے مجروح
بادۂ ناب میں ملا کے گلاب

مانگیں نہ ہم بہشت نہ ہو واں اگر شراب
دوزخ میں ڈالدیجئے دیجئے مگر شراب

زاہد کے بخت بد کی ہے خوبی وگرنہ کیوں
چھوڑے کوئی شراب کی امید پر شراب

تو یہ تو ہم نے کی ہے پر اب تک یہ حال ہے
پانی بھر آئے منہ میں دکھا دیں اگر شراب

گویا شراب ہی سے بھرا عمر کا قدح
موت اُس کی خوب ہو جو پیے عمر بھر شراب

سمجھا نہیں کہ جیتے ہیں مردے اسطرح
چھڑکے وگرنہ کیوں وہ مری خاک پر شراب

ہے لطف زیست یہ کہ وہ بیٹھا ہو روبرو
بکھری ہوں پھول ادھر تو دھری ہو اُدھر شراب

بیخود کیا جہاں کو تری چشم مست نے
تھی کیسی اس پیالہ میں اے فتنہ گر شراب

چشم سیاہ مست نگہ مست آپ مست
پیتا ہے دل لگی کو بت عشوہ گر شراب

تو یہ میں ہم نہ کھائینگے الزام کیا ہوا
اک آدھ بار پی گئے گر بھول کر شراب

مجروح بیش وکم سے یہاں کچھ غرض نہیں
سمجھے فتوح غیب ملے جسقدر شراب

حرف رخصت لب شیریں پہ نہ لانا صاحب
بیٹھے بیٹھے کہیں فتنہ نہ اُٹھانا صاحب

بعد مردن بھی یہاں دست تمنا ہیں بلند
بیحجبیوں مرے مرقد پہ نہ آنا صاحب

ذکر اغیار مجھے دیکھ کے کرنا کیا تھا
ڈھونڈتے آپ ہیں لڑنیکا بہانا صاحب

تم خوشی دوست ہوا حوال نہ پوچھو میرا
درد انگیز بہت ہے یہ فسانا صاحب

کچھ قیامت تو نہیں جس کا ضرور آنا ہے
چشم بد دور یہ ہے آپ کا آنا صاحب

کچھ شب وعدہ ہی منہ ہی کا لگانا تھا ضرور — خوب ہاتھ آپ کے آیا یہ بہانا صاحب

مہر انگیز نگاہوں سے ٹپکتے تھے کرم — ہائے وہ اگلی محبت کا زمانا صاحب

عشق جو کرتے ہیں پتھر کے جگر ہیں ان کے — ایسا آسان تو نہیں دل کا لگانا صاحب

شب فرقت میں کسیطرح سے آتا ہی نہیں — ہو گیا خواب بھی کیا آپ کا آنا صاحب

آنکھ لڑنے لگی غیروں سے جو بیٹھے بیٹھے — کیا ہوا مد نظر میرا اٹھانا صاحب

مجکو اندوہ جدائی سے سمجھنا بے دم — آپ کا جانا ہی بس موت کا آنا صاحب

نو خطی ہیں ہمیں سرمشق ستم کر لیجئے — ہاتھ آئے گا نہ پھر ایسا زمانا صاحب

ہم تڑپتے رہیں اور آپ نظر بھی نہ کریں — اس رکھائی کو ذرا بھول نہ جانا صاحب

رند گستاخ ہے کچھ دست درازی نہ کرے
پاس مجروح کو ہرگز نہ بٹھانا صاحب

حرف الیائے فارسی

لڑ کے اغیار سے جدا ہیں آپ — مجھ سے بے وجہ کیوں خفا ہیں آپ

میں اور الفت میں ہوں کہیں پابند — وہم میں مجھ سے بھی سوا ہیں آپ

غمزہ سے ناز سے لگاوٹ سے — ہر طرح آرزو فزا ہیں آپ

یاں تو دل ہی نہیں ہے پھر کیا دیں — یہ تو مانا کہ دلربا ہیں آپ

کونسا دل نہیں تمہاری جا — جلوہ فرما ہر ایک جا ہیں آپ

دل نہ دیتے جو منہ نہ دکھلاتے — خود تعشق کی ابتدا ہیں آپ

ہمنے یاں تک خودی کو محو کیا
میں نہیں اب تو میری جا ہیں آپ

کیا سنا حال تلخ کاموں کا
حد سے افزوں جو بد مزا ہیں آپ

واں خبر ہی نہیں تو پھر مجروح
کیوں مصیبت میں مبتلا ہیں آپ

ردیف تائے فوقانی

محمد عطر ریحان رسالت
سہی سرو گلستان رسالت

اُسی کی بات برہانِ نبوت
اُسی کی ذات شایان رسالت

وہ ہے شیرازہ بند جزو ایماں
وہ ہے تفسیر قرآن رسالت

کیا مہر نبوت نے یہ ثابت
کہ ہے اب ختم فرمان رسالت

اسی اک نور کا پرتو ہے ہر جا
وہ اوّل ہو کہ پایان رسالت

نہیں بے اذن آسکتے ملایک
ادب ایسا ہی دربان رسالت

ہوئی کس ذات سے ہے اُسکو نسبت
زہے اصل علی شان رسالت

بنے اُسکے طفیلی آدم و نوح
نہ ہوتے کیونکہ مہمان رسالت

جمال شرک سوز احمدی نے
کیا روشن شبستان رسالت

اُسی کے گرزۂ کفار کش نے
کئے مضبوط ارکان رسالت

ق

تن بیجاں ہوئی تھی بعد عیسےٰ
وہ آپہنچا دل و جان رسالت

وہ ختم المرسلیں یعنے محمد
کہ جسکی شان شایان رسالت

اخص الخاص درگاہ الٰہی کہ
وہ فخر انبیا جس کے قدم سے
ملی تھی اس لئے مہر نبوت
دُر نایاب ہے ایک ایک معصوم
یہی ہے عرض مجروح حزیں کی

شکوہ افزائے ایوان رسالت
بڑھی کچھ اور ہی شان رسالت
کہ تا آخر ہو فرمان رسالت
جواہر خیز ہے کان رسالت
بدرگاہ جہاں بان رسالت

سر افگن ہو جس دم مہر محشر
یہ سر ہو زیر دامان رسالت

ابھی موجود ہے دار محبت
ہزاروں گھر ہوئی ہیں اس سے ویراں
کہیں ملتی ہو یاں جنس وفا بھی
گئی بیکار سب سعی مسیحا
ہمارے دوست کو کوئی نہ چاہے
ہماری جوئے چشم تر سے یارب
ہوا لازم پتنگے کا جلانا
نہ جس سے کوہکن بھی سر بر آیا
نہ ہو کس طرح مغز جاں معطر
ادھر وامق اُدھر فرہاد و مجنوں
خضر لکھنے سے کیوں گھبرا گئے ہو

نہ کر منصور اظہار محبت
رہے آباد سرکار محبت
چلو دیکھو نہ بازار محبت
ہوا جانبر نہ بیمار محبت
نہ ہو دشمن کو آزار محبت
رہے شاداب گلزار محبت
کیا ہے اس نے اظہار محبت
کچھ ایسا سخت ہے کار محبت
یہ ہے بوئے سمن زار محبت
بھرا رہتا ہے دربار محبت
ابھی باقی ہے طومار محبت

اُسے کیا بستر گل پر ہو آرام — کھٹکتا جس کے ہو خار محبت
ہر اک کو پیش آتا ہے نیا رنگ — کھلے کس طرح اسرار محبت
فلک جس کے اُٹھانیسے ہو عاجز — غضب سنگین ہے بار محبت

قفس میں مر گیا مجروح سچ ہے
نہیں چھٹتا گرفتار محبت

ایذا ہی درد ہجر سے پائی تمام رات — کل ایک لمحہ ہم نے نہ پائی تمام رات
بیدار ایک میں ہی فراق صنم میں ہوں — سوتی ہے ورنہ ساری خدائی تمام رات
اپنی شب وصال تھی یا جنگ غیر تھا — تھی ہر سخن پہ اُن سے لڑائی تمام رات
بارے اس اضطراب کا کچھ تو اثر ہوا — گھر میں اُنہیں بھی نیند نہ آئی تمام رات
وہ اور اُن کے منہ کا دکھانا تو اک طرف — صورت نہ موت نے بھی دکھائی تمام رات
کیا نازکی ہے واہ کہ گجرونکے بوجھ سے — دُکھتی رہی وہ نرم کلائی تمام رات
بننے سنورنے ہی میں اُنہیں صبح ہو گئی — فرصت نہ عرض شوق کی پائی تمام رات
اپنی نہ کوئی شب ہوئی آرام سے بسر — رہتا ہے فکر روز جدائی تمام رات

زخم دل و جگر میں ہوئی ٹیس اسقدر
مجروح مجکو نیند نہ آئی تمام رات

غیر سے ملئے نہ صاحب سحر و شام بہت — دیکھو اس وضع سے ہو جاؤ گے بدنام بہت
زندگی اپنی میں اسواسطے کہتا ہوں اسے — تلخ ہے ذائقہ میں بادۂ گلفام بہت
نہ وہ ہر دم کا تڑپنا نہ وہ شورش نہ وہ آہ — دل کے جانیسے ہوا جان کو آرام بہت

ہیں اور اُن سے طلب بوسہ نہیں مُنہ پڑتا
مجھسے کم ظرف کو ہے لذت دشنام بہت

بدمزاجی سے کبھی عربدہ سازی سے کبھی
ہمکو بےچین ہی رکھتا ہے دل آرام بہت

آب حیواں عوض مے ہے کبھی۔ گہ زمزم
دھوکے دیتا ہے مجھے ساقی گلفام بہت

رندی و مستی و میخواری و شاہد بازی
فرصت عمر تو کم اور مجھے کام بہت

تھوڑی سی دولت دنیا پہ ہے منعم مغرور
سچ ہے ہوتا ہے تنک ظرف کو اک جام بہت

جی میں ہے آہ سے احوال دگرگوں کردوں
تنگ رکھتی ہے مجھے گردش ایام بہت

در میخانہ کیا بند مغاں نے شاید
آج گھبرائے جو پھرتے ہیں مے آشام بہت

سُدہ نہ لی آنے کی صیاد جفا پیشہ نے
میں تڑپتا بھی رہا گو کہ تہ دام بہت

ان کا ہنس بول ہی کے کاٹنا بہتر جانو
گو کہ **مجروح** زمانہ کے ہیں آلام بہت

اپنی ہستی ہے خواب کی صورت
بود ہے یہ حباب کی صورت

خواب میں بھی نظر نہیں آتی
شب ہجراں میں خواب کی صورت

رال ٹپکے گی شیخ صاحب کی
نہ دکھاؤ شراب کی صورت

اور بھی کچھ بگڑتی جاتی ہے
اس جہان خراب کی صورت

دل جو کھنچتا ہے بدر کامل پر
ہے یہ کس کے شباب کی صورت

شیخ رندوں کو حشر میں بھی خدا
نہ دکھائے جناب کی صورت

دل تو پُر ہے نکات رنگیں سے
گو ہیں خامش کتاب کی صورت

مر گئے پر نظر میں پھرتی ہے
اُسی خانہ خراب کی صورت

مہر محشر کو دیکھنا ہے اگر — دیکھ اُس کے عتاب کی صورت
میں تو کیا ہو نقاب نے نہ کبھی — دیکھی اُس پر حجاب کی صورت

روئے جاناں کے درمیاں مجروح
ہوں میں حائل نقاب کی صورت

منہ پہ رکھنے لگے نقاب بہت — آجکل بڑھ گیا حجاب بہت
ہم بھی امید وصل سے خوش ہیں — ہے زمانہ کو انقلاب بہت
جان بچتی نظر نہیں آتی — آج ہے دل کو اضطراب بہت
دار فانی میں کیا ہو خاطر جمع — خود پریشاں ہے یہ خواب بہت
ہجر جاناں میں اشک خوں کے حضور — یوں تو برسا کیا سحاب بہت
کیوں نہ گھبرائیں آہ سوزاں سے — ہے گل رخ پہ آب و تاب بہت
خوار و رسوا ذلیل و سودائی — مل چکے ہیں ہمیں خطاب بہت
دیکھ سکتا نہیں وہ مصحفِ رخ — اس میں ہیں آیت حجاب بہت
سب بھلایا ہے ضعف پیری نے — یاد آتا ہے پر شباب بہت
پہلے ہی ڈر سے ہم تو سہمتے ہیں — یاں ہے تھوڑا ہی سا عتاب بہت
دوست گنتے ہو غیر کو اپنا — ہے غلط آپ کا حساب بہت
جان و دل کو کباب کر ڈالا — گرم ہے آہ شعلہ تاب بہت
دہشت قبر ہے اگر اے دل — ورد رکھ نام بوتراب بہت
صبح بیہوش تھے پڑے مجروح — پی گئے رات کو شراب بہت

ہے یہ جان نزار کی صورت
جیسے اُجڑے دیار کی صورت

ہوکے سیماب بھی نہ ہوں کشتہ
تا نہ نکلے قرار کی صورت

کس کی دیکھی تھی آئینہ نے شکل
صبح دیکھی جو یار کی صورت

ہم ہوئے صدمۂ خزاں سے تمام
کس نے دیکھی بہار کی صورت

کاوش غم یہ ہے کہ پہلو میں
دل کھٹکتا ہے خار کی صورت

مر مٹے خود ہی جب تو کیا حاصل
گر بنے بھی مزار کی صورت

حور پر طبع کب ہوئی راغب
کوئی دکھلائے یار کی صورت

میری تصویر دیکھ کر بولے
ہے یہ کس سوگوار کی صورت

موسم گل میں اپنے چھٹنے کی
کچھ نہ نکلی ہزار کی صورت

یونہیں بیفائدہ جلے مجروح
ہم چراغ مزار کی صورت

نہیں اچھی الگ جانے کی عادت
کرو جوں بوئے گل آنیکی عادت

رہا مرکر بھی زیر پائے معشوق
ہمیں بھائی یہ پروانہ کی عادت

ڈرو اے شیخ رند بے ادب سے
ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

ہمیں ہے نعمت الواں سے کیا کام
پڑی ہے یاں تو غم کھانیکی عادت

جو دل لینا ہے تو شاہد بھی لاؤ
کہ تم کو ہے مکر جانے کی عادت

عدو کی غور سے باتیں نہ سنئے
ہے اُس شیطاں کو بہکانیکی عادت

گنہ ہو یا نہ ہو بے وجہ اے زلف
تجھے تو ہے اُلجھ جانے کی عادت

نصیحت پر نہ تم ناصح کی جاؤ
کہ ہے اس خر کو چلانیکی عادت

نکالے جاؤ گے اس گھر سے مجروح
نہ چھوڑی گر وہاں جانے کی عادت

ردیف تائے ہندی

دل کو میرے اُڑا لیا جھٹ پٹ
واہ کیا خوب آپکی ہے جھپٹ

فرط گریہ نے کچھ نہ چھوڑا ہائے
لخت دل آنکھ سے گرے کٹ کٹ

شب غم نے بچھا دیئے کانٹے
چین اسکا نہیں کسی کروٹ

کتنا ڈھونڈا مگر پتہ نہ لگا
دل کو لے ایسا کر دیا تل پٹ

کیا ہنسی غیر کی اُڑی شب کو
کھا کے ٹھوکر جو میں گرا چوپٹ

بوسہ مانگا تو کس رعونت سے
کہتے ہیں چل ارے پرے کو ہٹ

کون مہماں ہوا کہ بستر سے
آج پھولوں کی آرہی ہے لپٹ

اُن کا خادم پہ یہ تقاضا ہے
نہ رہے فرش خواب میں سلوٹ

آیا میری طرف سے ساقی بزم
جب صراحی میں رہ گیا تلچھٹ

تو تو میں میں کرو نہ اُس سے شیخ
رند میخوار ہے بہت مُنہ پھٹ

صاف دل سے کبھی نہ مل بیٹھے
اُن کو مجھ سے سدا رہی کھٹ پٹ

میرے مرنے سے ہنس کے یوں بولے
یہ بلا ہے کہیں نہ جائے لپٹ

زندگانی کا کیا بھروسہ ہے
سارے جھگڑے نبیڑ تو جھٹ پٹ

موسم گل ہے باغ میں دیکھو
گلعذاروں کے ہر طرف جھرمٹ
شب وصلت میں چونکتے ہیں
ہو ہوا کی بھی گر ذرا آہٹ
کب مرے دام میں وہ آتا ہے
ہے وہ عیار اک بڑا نٹ کھٹ
نہیں جاتا مزاج کا بچپن
اس کو ہر بات پر وہی ہے ہٹ
گل ہوا شکوں سے ساری گھر کی زمیں
کہیں اس کا نہ جائے پاؤں رپٹ
نہیں جاتا ہے پھیر قسمت کا
آکے یاں پھر گئے وہ گھر کو پلٹ

کچھ ہو مجروح گھس چلو گھر میں
آج در اس کا ہے کھلا چوپٹ

ردیف ثائے مثلثہ

فکر تعمیر سقف و خانہ عبث
جو کہ بگڑے اسے بنانا عبث
کیا لیا خضر نے جو ہم لیں گے
خواہش عمر جاودانہ عبث
ہے خمار شبینہ باعث خواب
درد سر کا ہے یہ بہانہ عبث
غم کے کھانے سے ہو چکی فرصت
ہے ہمیں فکر آب و دانہ عبث
گھات میں ہے لگی ہوئی بجلی
ہم بناتے ہیں آشیانہ عبث
عمر دہ روزہ کا گذرنا کیا
رہنے کو ڈھونڈھنا ٹھکانہ عبث
شوخی و شرم نبھ نہیں سکتی
منہ دکھا کر ہے پھر چھپانا عبث
صید لاغر پسند ہو کس کے
میں بنا یار کا نشانہ عبث

جب وہ رنگیں مزاج ہو ناخوش
چشم تر سے ہے خوں بہانا عبث

جبکہ فانی جہان ہے تو پھر
یہ عبث اس کا کارخانہ عبث

شمع بزم عدو ہے وہ مجروح
تیرا ہر دم ہے دل جلانا عبث

ردیف جیم عربی

شب مہ روشنی فشاں ہے آج
ساقیٔ مہروش کہاں ہے آج

شب مہ اور سرد سرد ہوا
شورش انگیز میکشاں ہے آج

توبہ وہ ہے جو ابر میں تھم جائے
زہد زاہد کا امتحاں ہے آج

کل جہاں تھے بہار کے جلوے
برگ ریز خزاں جہاں ہے آج

ہے جو افزونیٔ ستم شاید
گھٹ گیا اُس سے آسماں ہے آج

کس نے آغوش شوق میں کھینچا
کہ جبیں اُسکی خوئے فشاں[1] ہے آج

لے چکا دل مگر ہے خواہش جاں
یار کیوں مجھ پہ مہرباں ہے آج

گم نہ سر رشتہ سخن ہو جائے
ذکر معدومی جہاں ہے آج

گفتگو کی ہے مبتدا نہ خبر
کہئے وہ دھیان آپکا کہاں ہے آج

پردہ خود ہو گیا بتاؤ کہ وہ
جلوۂ حسن میں نہاں ہے آج

ہو جہاں اجتماع شاہ و گدا
وہ مغاں ہی کا آستاں ہے آج

کون پس ماندہ رہ گیا کہ جسے
ڈھونڈھتی گرد کارواں ہے آج

[1] پسینہ

قطعہ

اس تلون کی کوئی حد بھی ہے — ہو چکا جس کا امتحاں ہے آج
جس کو در تک نہ یار تھا کل تک — آپکا وہ مزاجداں ہے آج
ابر آگے سے ٹل گیا ڈر کر — جوش پر چشم خونفشاں ہے آج
گر کے بجلی جلا گئی شاید — یاد آتا جو آشیاں ہے آج
شور نالہ سے حشر ہے برپا — کل جو ہوگا وہاں یہاں ہے آج

جان اُس پر نثار کر نہ سکا
چُپ جو مجروح نیمجاں ہے آج

۷

جوش پر ابر نوبہار ہے آج — مست بے بادہ میگسار ہے آج
موسم گل ہے اور وہ گل ہے — باغ میں دوسری بہار ہے آج
تو اگر ہے تو میں نہیں تا شام — بیقراری سے یہ قرار ہے آج
پائمالی کو کیا ملا نہ کوئی — کچھ مکدر وہ شہسوار ہے آج
کل وہ آنے کو کہہ گیا اور یاں — دل نہایت ہی بیقرار ہے آج
کیا کوئی ظلم آزمانا ہے — یاد میری جو بار بار ہے آج
ٹکٹکی در سے ہو لگائے ہوئے — سچ کہو کس کا انتظار ہے آج
واہ ابر بہار کی تاثیر — شیخ خود مے کا خواستگار ہے آج
رنگ اہل جہان کا یہ ہے — کل ہی دشمن ہو جو کہ یار ہے آج
سامنا مہر نے کیا شاید — گرم وہ آتشیں عذار ہے آج
کل کیا تم نے کونسا پورا — کس کو وعدہ کا اعتبار ہے آج

کیا ہوا اُس کو عزم خانۂ غیر
دل دھڑکتا جو بار بار ہے آج

وعدہ قتل کل پہ کیوں رکھو
اُٹھو حاضر یہ جاں نثار ہے آج

غیر نے کیا پیا ہے شربت وصل
زہر کیوں مجھکو خوشگوار ہے آج

کیا وہ نظروں سے چھپ گیا مجروح
کیوں تری چشم اشکبار ہے آج

ردیف جیم فارسی

بس ہے اک چشم غضب قتل کو تلوار نہ کھینچ
اتنی تکلیف مری واسطے اے یار نہ کھینچ

کر نہ برباد پئے عالم کی مصوّر صورت
اُس کی تصویر کو تو بر سر دیوار نہ کھینچ

اوّل درد محبت ہے نہ گھبرا اتنا
سرد آہیں تو ابھی سے دل بیمار نہ کھینچ

پھر وہ آئیگا نہ ہرگز دل بیتاب سنبھل
بے اجازت اسے آغوش میں زنہار نہ کھینچ

لکھ وہ مضموں جو ہو نفع رسانِ عالم
روز کاغذ پہ لکیریں یوہیں بیکار نہ کھینچ

خواب میں بھی تو کسی نے نہیں دیکھا آقو
انتظار اُس کا تو اے دیدۂ بیدار نہ کھینچ

اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس بس
یوسفِ مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ

شب وصلت ہے نہ رکھیو بیچ میں تکیہ ظالم
مجھ میں اور آپ میں بے وجہ یہ دیوار نہ کھینچ

عمر دو روزہ پہ یہ طول امل اے غافل
تھوڑی راحت کے لئے محنت بسیار نہ کھینچ

یار کا گھر ہے نہیں خانۂ اعدا اے دل
نالہ ہائے شررافگن پس دیوار نہ کھینچ

ٹوٹ جائیگا نہ رکھ کشمکش ہر روزہ
دیکھ سر رشتۂ الفت کو مرے یار نہ کھینچ

اُن کو جانیسے جو روکوں تو یہ کہتے ہیں کہ واہ
درد ہوتا ہے مرے ہاتھ کو ہر بار نہ کھینچ

جو ہو قدموں سے لگا اُسکو جدا کیا کیجے
دیکھ غمخوار مرے آبلوں سے خار نہ کھینچ

بار احساں کا اُٹھانا ہے نہایت مشکل
غیر کا ذکر ہے کیا یار کی بھی عار نہ کھینچ

ساقیٔ بزم کو تل چھٹ کے ہے دینے میں دریغ
ذلتیں جا کے وہاں رند قدح خوار نہ کھینچ

کہیں دامن کی جگہ خود نہ کھنچے وہ بد خو
یار کے گوشۂ دامن کو دل زار نہ کھینچ

مجکو زخموں سے ہے کیا فکر کہ خود ہوں مجروح
تو ڈرانے کو مرے خنجر خونخوار نہ کھینچ

ردیف ہائے حُطّی

خوب دیکھی ہے اس جہاں کی طرح
نہیں تسکیں فزا یہاں کی طرح

سرکشی سرو کی نہیں بیجا
کچھ تو ملتی ہے اُس جواں کی طرح

جستجو نا تمام ہے ہر چند
روز جلتے ہیں ہم زباں کی طرح

کسی مہرو کی جستجو میں سدا
رہے چکر میں آسماں کی طرح

ہم گراں جان اُس کے کوچے سے
نہ ٹلے سنگ آستاں کی طرح

چین دیتی نہیں خلش غم کی
دل میں کھٹکے ہے کچھ سناں کی طرح

آشناؤں سے اسقدر نفرت
ہے یہ فرمائیے کہاں کی طرح

دل میں آؤ تو تم کو ہو معلوم
کہ نرالی ہے اس مکاں کی طرح

کجکلاہ کج نگاہ و کج رفتار
کھب گئی دل میں اسکی بانکی طرح

سبزۂ خط کا ہے قدم آیا — گلشن حسن میں خزاں کی طرح
بے سبب کوندتی نہیں بجلی — ہم نے ڈالی ہے آشیاں کی طرح
آکے وہ تمکنت جتاتے ہیں — چپکے بیٹھے ہیں میہماں کی طرح
رہتے اُسکی گلی میں ہم۔ گر بخت — ہوتے بیدار پاسباں کی طرح

یوں سخنور بہت ہیں پر مجروح
اور ہے اپنی کچھ بیاں کی طرح

ردیف ہائے معجمہ

گو آپ کے بھی ہاتھ کا ہے رنگ حنا سرخ — پر اشک جگر گوں ہے مرا اُس سے سوا سرخ
ہاں کون گیا جان سے کس پر غضب آیا — کیوں غصہ سے چہرہ ہے ترا ماہ لقا سرخ
یاقوت بھی کچھ جس کے مقابل میں نہیں ہے — کیا بادۂ گلنار کی رنگت ہے بلا سرخ
دیتا ہے مرے خون کے کرنے کی گواہی — پوشاک جو پہنے ہے مرا حور لقا سرخ
کیا اس کو گماں نشہ کا تم کرتے ہو صاحب — یہ خون جگر سے مری آنکھیں ہیں سدا سرخ
گر چاٹ نہیں اُسکو مرے خوں کی لگی ہے — مُنہ کیوں ترے سوفار کا رہتا ہے بھلا سرخ
نسریں کی حمائل کا ہر اک پھول گلے میں — اُس سرخیِ رخسار کے پڑتے ہی ہوا سرخ
کچھ قتل کا عشاق کے سامان ہے شاید — اُس شوخ جفا جو نے جو پہنی ہے قبا سرخ
یہ خون جگر نے مرے چمکائی ہے رنگت — مُنہ آپ کے سوفار کا اتنا تو نہ تھا سرخ
صحبت کا اثر اپنا بنا لیتا ہے ہمرنگ — آتش تھی اگر سرخ تو آہن بھی ہوا سرخ

مقتول محبت کی نشانی رہے مجروح
تم سنگ لگانا مرے مرقد پہ نرا سرخ

ردیف دال مہملہ

شب معراج میں تشریف جو لائے احمد
غل فرشتوں میں یہ اُٹھا کہ وہ آئے احمد

ہوش میں پھر نہ کبھی حضرت موسے آئیں
جلوۂ خاص اگر اپنا دکھائے احمد

قاب قوسین سے نزدیک ہو معبود جہاں
ایسی جا کون پہنچتا ہے سوائے احمد

عقل فعال کے رہتے نہیں یاں ہوش بجا
ایسی آسان سمجھنا نہ ثنائے احمد

مشرقستانِ تجلی ہو سراسر عالم
رُخِ پُر نور اگر اپنا دکھائے احمد

ہے وہ سینہ جو لبالب ہوئے الفت سے
ہے وہ دل جس میں کہ ساری ہو ولائے احمد

اُس گراں قدر کے لائق نہیں یہ نذر حقیر
جان کیا ہے کہ جسے کیجیے فدائے احمد

کر دیا مردہ کو اک آن میں زندہ گویا
آبِ حیواں ہے لب روح فزائے احمد

ہے دعا حق سے یہ مجروح کی ہنگام جزا
سر پہ ہو شقہ کشا اس کے لوائے احمد

نہ لیں شاہی غلامان محمد
سلیماں فر ہے سلمان محمد

بشر اور یہ صفات لاتناہی
تعجب خیز ہے شان محمد

مفسر سورۂ والیل کی ہے
وہ زلفِ عنبر افشان محمد

کئے ظاہر قصورِ قصر قیصر
یہ اعلےٰ بیں ہے دربان محمد

نہیں ہیں لحن داؤدی کے قایل
نوا سنجانِ بستانِ محمدؐ

کہاں تھے حق و باطل کے ممیز
ہوا فارق ہے فرقان محمدؐ

کرے کیوں عہدۂ رضواں کو منظور
نہیں کم ظرف دربانِ محمدؐ

پراگندہ ہیں جس جا طائرِ قدس
ہے اُس میداں میں جولان محمدؐ

تھکا آخر خیالِ عرش پیما
نہ پہنچا تا بہ ایوان محمدؐ

قسم کھاتا ہے جس کی رب معبود
عجب ذیقدر ہے جان محمدؐ

ثنا گر ہو کے اترائے نہ سحباں
خدا خود ہے ثنا خوان محمدؐ

پھٹکنے تک نہیں دیتا ملک کو
ادب داں ہے یہ دربان محمدؐ

شرارت کر سکیں کیا دیو سیرت
ملائک ہیں نگہبان محمدؐ

سدا گلچیں ہیں اسکے گل بداماں
تر و تازہ ہے بستان محمدؐ

کیا شق اک اشارہ سے قمر کو
بہت مشکل ہے آسان محمدؐ

رسولِ مہرباں ہے کون ایسا
دل و جاں میرے قربان محمدؐ

سرِ شام اس لئے چھپتا ہے خورشید
بنے تا شمع ایوان محمدؐ

میں اور مدحت گری ممدوح حق کی
اور ایسی جو ہو شایان محمدؐ

سُبک امت کے ہے نیکی کا پلّہ
جھکا وے بار احسان محمدؐ

نہیں ہیں آسماں پر نجم رخشاں
پڑے ہیں ریزۂ خوان محمدؐ

زبس دشوار ہے حفظ مراتب
بہت کم ہیں ادب دان محمدؐ

ہر اک ساعت تعالیٰ شانہٗ سے
موظف ہیں ثنا خوان محمدؐ

مدحت سنج ہے دن رات مجروح
یہ اُردو میں ہے سحبان محمدؐ

ہے اب تو سامنے آنکھوں کے ہر زماں صیاد
قفس سے چھوٹ گئے ہم تو پھر کہاں صیاد

شجر پہ برق کا کھٹکا زمیں پہ سیل کا ڈر
ہم آشیانہ بنائیں بھلا کہاں صیاد

اسیر رہنے کی ضامن شکستہ بالی ہے
میری طرف سے عبث ہے تو بدگماں صیاد

چمن کے زمزمہ سنجوں کو کیا قفس سے کام
مگر ہماری ہوئی گردشِ زماں صیاد

نہ سوجھتی ہے رہائی نہ موت آتی ہے
نہ مہربان ہے قسمت نہ مہربان صیاد

خیال دل سے اُڑائیں نہ کیوں رہائی کا
شکستہ بال قفس بند پاسباں صیاد

تمام عمر رہا قید اب رہا کیا ہوں
مجھے تو یاد نہیں اپنا آشیاں صیاد

قفس میں دام سے ڈالا ہے اک عمر کے بعد
ہزار شکر ہوا کچھ تو مہرباں صیاد

اسیر دل کو وہ نیچی نگاہ کرتی ہے
ہے اپنی اُسکی نظر بازیٔ نہاں صیاد

چمن تو پاس ہے پر کیونکہ جھانک کر دیکھوں
ہر ایک وقت تو رہتا ہے پاسباں صیاد

کبھی نہ دانہ پہ گرتے نہ دام میں پھنستے
کمیں میں اپنی نہ ہوتا اگر نہاں صیاد

چمن کی سیر مبارک ہو ہم صفیروں کو
یہاں تو قید بڑھاتا ہے ہر زماں صیاد

ہمارے شوق اسیری کی کوئی حد بھی ہے
ہر اک سے پوچھتا پھرتا ہوں ہے کہاں صیاد

گلوں سے تحفے زبس ہمصفیر لائے ہیں
ہوا ہے کنج قفس صحن بوستاں صیاد

یہ طرز زمزمہ سنجی ہر ایک کیا جانے
ملے گا دوسرا مجروح سا کہاں صیاد

دل نہ کس طرح سے کرے فریاد / چرخ کا جور یار کی بیداد
اُس سے کہتا ہی چرخ ظلم ایجاد / یہ تمہارا ہی فیض ہے اُستاد
نالہ کش کس طرح نہ ہو بُلبُل / دام گلشن میں گھات میں صیادؔ
یہیں عُشاق کا ٹھکانا ہے / آپ کا گھر خدا رکھے آباد
رہ میں طوفان ہو و یا گرداب / کشتی مت روک ہرچہ باداباد
نیلا پیلا ہے کیوں فلک ہوتا / کیا بر آئی کسی کے دل کی مراد
نہ رہی فکر آب و دانہ کی / قید نے ہم کو کر دیا آزاد
واں نہیں خوشدلی جہاں ہم ہیں / ہے محالات جمع اضداد
ابر ہے تو یہ اب رہے کہ نہیں / اس میں پیرِ مغاں کا جو ارشاد
کیوں ہے پھر پائے بند آزادی / فی الحقیقت جو سرو ہے آزاد
کُہ کنی کا ہے عشق میں کیا کام / جاں کنی ہم سے سیکھ اے فرہاد
تیرے آنے کا ذکر کیا اب تو / دل تک آتی نہیں ہی تیری یاد
واہ وا۔ اے ہوائے آبادی / تیری خواہش نے کر دیا برباد
کیونکہ مانوں کہ بھول جاؤں گا / یاد بھی اور پھر تمہاری یاد
چائینگے جب اُکھاڑ ڈالیں گے / تیری چرخ کہن ہے کیا بنیاد
دوست دشمن کے دوست کے دشمن / ہم کو بھایا یہ آپ کا ایجاد
کام ہی کا نہیں وہ جور فلک / جس کی پہنچی نہ یار تک اسناد
وار خالی گیا تو غصہ سے / بوٹیاں کاٹنے لگا جلاد

ساقی و مطرب و گل و مل ہیں
کچھ نہ سمجھا فریبِ اُلفت کے

آرزو خیز ہے تمہاری یاد
جان دی مفت کیا کیا فرہاد

کہتے ہیں آج مر گیا مجروح
یار کو چل کے دو مبارک باد

ردیف ذال منقوطہ

بے دیئے بوسہ نہیں آپ کا دشنام لذیذ
کیوں نہیں آٹھ پہر اس کو زباں پر کھوں
سچ ہے دیکھا نہیں گا ہی ثمر خام لذیذ
اُس شکر لب کا ہے ازبسکہ بہت نام لذیذ

ہے کباب دل عاشق کی سدا فرمایش
کھانا کھاتا ہی بہت وہ بت خودکام لذیذ

ہوکے پروردہ نکلتا ہی لب شیریں سے
کیوں نہ معلوم ہو اُس شوخ کا دشنام لذیذ

نامہ بر فرط حلاوت سے نہیں کہہ سکتا
اُس شکر لب کا ہی اس مرتبہ پیغام لذیذ

ہونٹھ ہی چاٹتے رہ جاؤگے گر چکھ لوگے
شیخ صاحب ہی بہت بادۂ گلفام لذیذ

تھوڑی محنت میں ہنر سیکھ لے مرد غافل
اس کا آغاز تو ہے تلخ پہ انجام لذیذ

جو کہ ہو خوگر سختی اُسے دشوار ہے سہل
صبر کر صبر کہ ہو تلخی ایام لذیذ

ہے یہی تلخیے اندوہ کو جو کھوتی ہے
جان شیریں سے نہ ہو کیوں مئے گلفام لذیذ

نیر سے عاشق کو نہیں شکوۂ محنت ورنہ
ہر کوئی جانتا ہے لذت آرام لذیذ

بد مذاقوں کو نہ مجروح حلاوت ہوگی
گو سخن ہے ترا اے شاعر ناکام لذیذ

ردیف رائے مہملہ

صلوٰۃ اس سرور والا گہر پر
جبیں ساں ہیں فرشتے جسکے در پر

گل خوشبوئے باغ لطف حق ہو
رہے کیوں ابر کا سایہ نہ سر پر

اسے کہتے ہیں سردار دو عالم
زمیں سے حکمرانی کی قمر پر

خود اپنے دین کی تکمیل حق نے
رکھی تھی منحصر خیر البشر پر

پئے سرمہ ملے کروبیوں کے
لگی آنکھیں ہیں اُس کی خاک در پر

کیا اے ابر رحمت یار آور
نظر ڈالی جو نخل بے ثمر پر

بیاں وہ جس پہ سو اعجاز قرباں
دعا وہ جس کو نازش ہو اثر پر

نوید اے زائران روضۂ پاک
ملائک کے چلو گے بال و پر پر

پئے تسلیم حضرت سب شہنشاہ
صفیں باندھے کھڑے ہیں رہگذر پر

سپیدی روضۂ شہ پر نہ سمجھو
ٹپکتا نور ہے دیوار و در پر

نہ رکھا صفحۂ افلاک خالی
کفایت کی ہے وصف مختصر پر

جمال باکمال اپنا دکھاؤ
ترحم ہو مرے شوق نظر پر

یہی ہے عرض اے مہر رسالت
نگہ رکھو مرے دامان تر پر

تمہیں راہ صراط آساں کرو گے
کہ خضر رہروی ہے راہ بر پر

اسے کیا تخت جمشیدی کی پروا
پڑا مجروح ہے حضرت کے در پر

اُن کے پڑتے ہیں مجھ پہ بے تقصیر
تیغ پر تیغ اور تیر پر تیر

سروِ آزاد بھی ہوا ہے اسیر
پا میں ہے موجِ آب کی زنجیر

دل کو رکھنا ذرا بچائے ہوئے
اُس جھکی آنکھ کی نگہ ہے شریر

جان دینے کو ہم ہوئے حاضر
اب کوئی اور سوچیئے تدبیر

کتنا چاہا گلے ملے نہ ملے
کیسی کج خُلق ہے تری شمشیر

کیا یہی ہے طریقۂ الفت
ہنستے ہو مجکو دیکھ کر دلگیر

دقتیں کھینچنی پڑیں گی تجھے
کھینچ مانی نہ یار کی تصویر

سُن کے میری صدا وہ کہتا ہے
دیکھو در پر کوئی کھڑا ہے فقیر

ضعف نے خم کیا جو مثلِ کماں
مجھ سے وہ بھاگنے لگے جوں تیر

تم سے ہو جائیگا جہاں بدظن
میرا لاشہ نہ کیجیے تشہیر

ہم تو مے خانہ سے نہیں ہلتے
سچ ہے یک در بگیر و محکم گیر

سادہ پن پر مری نہ جا اے شیخ
دیکھ میخانہ میں مری توقیر

اُس سے کیا ہمسری کریگا فلک
وہ ہے نام خدا جوان یہ پیر

فصلِ گل کے اثر سے دیوانو
ٹوٹ جاتی ہے خود بخود زنجیر

میکدہ ایسی جا ہے اے زاہد
بادشاہی نہ لیں جہاں کی فقیر

شعر میں بے مثال ہے مجروح
معنئ غالب و سلاست میر

توجہ کیا ہو مجھ گوشہ نشیں پر
دماغ اُنکا تو ہے عرشِ بریں پر

سے گئے اُلفت گئے بیگانہ واری
غرض یہ ختم ہیں باتیں اُنہیں پر

خوشی کا ذکر بھی یاروں سے سننا
گراں ہے خاطرِ اندوہگیں پر

نہ تھے گر شب حریفانِ قدح خوار
یہ داغ مے ہیں کیسے آستیں پر

کمر ہونے پہ غالب ہے نہ ہونا
یہاں ترجیح شک کو ہے یقیں پر

مرے وعدے وفا اعدا سے صاحب
یہ فقرے صاف ہوتے ہیں ہمیں پر

یہ کس بیدرد کا ہے مرغ مذبوح
پڑا ہے سر کہیں اُس کا کہیں پر

ترشح ہاں کرے جس کی ادا سے
مری سو جاں تصدق اُس نہیں پر

پری و حور و مہر و ماہ سب ہیں
پر اُن میں آنکھ پڑتی ہے نہیں پر

نہ کچھ دیکھا عبث دنیا میں آیا
عجب ہے زاہدِ عزلت گزیں پر

رقیبوں سے تو کچھ دبتی ہے کتنی
غضب آلودہ رہتے ہو ہمیں پر

بچھاتے جبکہ ہوں عاشق نگاہیں
تو پھر وہ پاؤں کیوں رکھیں زمیں پر

وہ مجھ سے صید کی رکھتا ہو کب تاک
مگر میں خود پہنچ جاؤں کمیں پر

کسی کے دھیان میں شاید گئو تھے
ورم ہے کچھ جو پائے نازنیں پر

کسی کے کام ہی کا اب نہیں دل
ترا ہے نام کندہ اس نگیں پر

نہ ہو پروا اُسے گو در پہ رکھوں
لکھا ہے کیا یہی میری جبیں پر

سنا کب مژدۂ فصلِ بہاری
کہ جب پرواز کے قابل نہیں پر

پھرے لیلےٰ جس کی جستجو میں
نہو کیوں رشک اُس صحرانشیں پر

تعجب ہے اگر اب کے سنبھل جائے
وہ بارِ غم ہے مجروحِ حزیں پر

اُس کے ہیں جھانکنے کے یہ آثار
عطر افشاں ہیں روزنِ دیوار

موسمِ گل ہے اور ہوائے بہار
ساقیٔ ما بیا و بادہ بیار

ایک دل اور خواستگار ہزار
کیا کروں یک انار صد بیمار

ہیں بشر کیا ملک بھی للچائیں
اُس کے سینہ کا دیکھ لیں جو اُبھار

کہتے ہیں آؤ نگاہ پر ہمرہِ غیر
ہے یہ اقرار بدتر از انکار

کچھ ہو بوسہ تو لے ہی لوں جا کر
وہ جو سوئیں تو بخت ہوں بیدار

کس کا ہے عزمِ قتل جو ہر دم
نکلی پڑتی ہے آپ کی تلوار

واں سے گالی ملے نہ بوسۂ لب
کچھ عجب نا دہند ہے سرکار

نہیں پایاں پذیر یہ دونو
میرا ابرام اور ترا انکار

نہیں ملتا نشانِ منزلِ دوست
ہے تو یہ ہے صدا قدم بردار

شیخ میخانہ سے نکل بچ کر
چھن نہ جائے یہ جبّہ و دستار

کیوں نہ اُس کی نگہ پڑے ہر جا
ناتواں ہے وہ نرگسِ بیمار

لن ترانی کو چھوڑیئے صاحب
سخت مضطر ہیں طالبِ دیدار

وہ ملے جب کیا تعین ترک
طے ہوئی جلد راہ تھی ہموار

یاں نہ آنے سے خود ہوئے رسوا
کر دیا کارِ سہل کو دشوار

جان تنہا بدن کو چھوڑ گئی
کون دنیا میں ہے کسی کا یار

میری کشتی کے ٹوٹنے کی خبر
کیا ملے اُن کو ہو گئے جو پار

میں اور اُس در پہ بے طلب جاؤں
کیا کروں دل نے کر دیا ناچار

دل لگی وہ بلا ہے اے مجروح
جان سے جس نے کر دیا بیزار

دشمنِ جان ہوئے ہیں وہ مری جاں ہو کر
غیر کے پاس تو جاتے ہیں مگر یاں ہو کر

خرقِ افلاک محالات سمجھئے لیکن
وہ بھی ثابت نہ رہیں میرا گریباں ہو کر

خانہ آباد رہے تیرا صدا اے دنیا
رنج و غم خوب ہی کھائے تری مہماں ہو کر

اہلِ زر یہ بھی فقیرانہ صدا ہے سن لو
مہر ذرّہ پہ رکھو نیّرِ رخشاں ہو کر

ظلم میں بھی تو ستمگر نے نہ ڈالا پورا
آج بھی یوں ہی رہا قتل کا ساماں ہو کر

یاد وعدہ کوئی آیا کہ یکایک تم نے
عزم جانیکا کیا برزدہ داماں ہو کر

زغن و زاغ کی آواز سے ہے حشر بپا
خوب آباد ہوا گھر مرا ویراں ہو کر

در و دیوار مرے جوشِ جنوں نے توڑے
دل کو تفریح تو دی گھر نے بیاباں ہو کر

سامنے آنے لگے نامہ و پیغام عدو
اور آفت میں پڑے اُنکے نگہباں ہو کر

وہ تو آئے ہیں یہ ہے رنجش بیجا ہر دم
اور دشوار ہوا کام یہ آساں ہو کر

حضرتِ عشق ہیں کچھ پوچھ بزرگی کی نہیں
اس میں یوسف بھی رہے قیدیٔ زنداں ہو کر

نہ تو پرواز کی خواہش ہے نہ اُڑنیکی ہوس
کیسے آرام سے بیٹھے ہیں پر افشاں ہو کر

اس جہاں میں نہیں جز رنج مآلِ شادی
گرتے ہیں خاک میں گل شاخ پہ خنداں ہو کر

شیر کے سامنے جاؤ مگر اُس سے بھاگو
خصلتیں رکھے جو حیوان کی انساں ہو کر

اُس کے مژگاں کا تصور جو کبھی آتا ہے
دم کھٹکتا ہے مرے سینہ میں پیکاں ہو کر

پہلی سی اب وہ نہیں ہے نظرِ الفت خیز
خود وہ خاموش ہوئے سلسلہ جنباں ہو کر

ہم تو اسوقت ہوں اس نشہ مئے کے قائل
کہ نہیں منہ سے نکل جائے تری ہاں ہوکر

ظلم کا اُس کے یہ رتبہ ہے تکبر کے سبب
کہ سدا سر پہ مرے رہتا ہے احساں ہوکر

دل میں اصنام خیالی ہیں بھرے اے مجروح
دیر اس گھر کو کیا تم نے مسلماں ہوکر

دل بے صبر میں ہے غم کا گزار
گر گئی اس مکان کی دیوار

اس کو ہر ایک پر نہ پڑنے دے
رہ ذرا چشم مست سے ہشیار

غل مچائیں نہ کیونکہ دیوانے
ولولہ خیز ہے نسیم بہار

کیا مرے نقد دل کو تاکا ہے
کچھ ادھر دیکھتے ہیں وہ ہر بار

شانہ کرنے میں ہے یہ بدخوئی
وہ اُلجھتے ہیں زلف سے ہر بار

در میخانہ بند ہے تو ہو
پست ہے پھاند جاؤں گا دیوار

نقص دیوانگی ہے دست جنوں
رہ گیا جیب میں اگر اک تار

درد سر ہیں تمام عقل کیساتھ
جو کہ بیخود ہے ہے وہی ہشیار

راضی ہوتے نہیں دل و جاں پر
ایک بوسہ پر اسقدر تکرار

چشم بیمار ہے لبوں کے پاس
یاں مسیحا نہ کھو سکا آزار

اُس کے اُٹھنے کے ساتھ ہی اُٹھا
فتنہ کتنا ہے تابع رفتار

ہم سے کھلتا نہیں کسی ڈھب سے
ہو گیا یار عقدہ دشوار

میں اور اُس کو عدو کے گھر ڈھونڈوں
کیا کروں شوق نے کیا ناچار

حال دل انقباض سے ہی عیاں
ہے یہاں بستگی لب اظہار

کرتی ہے اہتزاز روحِ ملک ‏ — ‏اُس کے سینہ کا وہ غضب ہے اُبھار
تاڑتا ہے نگاہِ پنہاں کو ‏ — ‏غمزہ کس قہر کا ہے چوکیدار
ہے تو سیدھی ہی منزلِ مقصود ‏ — ‏سنگِ رہ میں یہ سبحۂ زنار
گریہ ہو یا فغاں ہو یا نالہ ‏ — ‏سب میں ہے دردِ دل ہی کا اظہار

تو تو کچھ اور ہو گیا مجروح
دل تو اٹکا نہیں کہیں اے یار

ردیف رائے ہندی

ایک سی ربط ایک سے ہے بگاڑ ‏ — ‏روز ہے واں یہی اُکھاڑ پچھاڑ
اب وہ دل میں کبھی نہیں آتے ‏ — ‏مدتوں سے یہ گھر پڑا ہے اُجاڑ
کارِ عاشق جو ہونگے میں درست ‏ — ‏کہئے کیا آپکا ہے اس میں بگاڑ
کہتے ہو غیر جائے تو آؤں ‏ — ‏خوب رکھی ہے آپ نے یہ آڑ
سنگدل رکھ رکھاؤ دل کا رکھ ‏ — ‏کہیں اس شیشہ میں نہ آئے دراڑ
غیر جائے تو کام کیوں نہ بنے ‏ — ‏دور چھاتی سے ہو کہیں یہ پہاڑ
قد کو اُن کے کہا تھا سرو تو وہ ‏ — ‏پیچھے لپٹے ہیں میرے ہو کر جھاڑ
عشق سے رہ الگ جہانتک ہو ‏ — ‏کہیں سر پر نہ آپڑے یہ پہاڑ
قتل تو کر چکے نہ ہو بدنام ‏ — ‏میرے لاشہ کو دو زمیں میں گاڑ
اُس کا چھایا ہوا ہے ابرِ ستم ‏ — ‏کیوں نہ تیروں کی مجھ پہ ہو بوچھاڑ

کوئی مہمان تازہ وارد ہے	بند رہتے ہیں رات دن جو کواڑ

وہ تفنگ مژہ ہیں صف آرا
تم پہ مجروح چل نہ جائے باڑ

ردیف زائے معجمہ

حرف تم اپنی نزاکت پہ نہ لانا ہرگز		ہاتھ بیداد وستم سے نہ اٹھانا ہرگز
تم بھی چوری کو یقیں ہے نہ کہو گے اچھا		اب ہمیں دیکھ کے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
عشق سے ایک مگر آفتِ نو ہے ہردم		یہ وہ مضموں ہے کہ ہوگا نہ پرانا ہرگز
یہی انداز تو ہیں دل کے اڑا لینے کے		اُن کی تم نیچی نگاہوں پہ نہ جانا ہرگز
سبب قتل محبت ہے اگر اے ظالم		تو مرا جرم کسی کو نہ بتانا ہرگز
دلِ خوں گشتہ کا ہو راز نہ افشا اے چشم		اشک گلرنگ کا ٹپکا نہ لگانا ہرگز
ہوں تنک ظرف نہ جھیلوں گا شراب پرزور		پردہ یکبار نہ چہرہ سے اُٹھانا ہرگز
ہم سے بیمار بھی جانبر کہیں ہوتے ہیں مسیح		تم یہاں آکے نہ تکلیف اُٹھانا ہرگز
جنس نایاب کے ہوتے ہیں ہزاروں گاہک		تم پتا اپنا کسی کو نہ بتانا ہرگز
میں تو کیا اُس سے تو موسیٰ بھی نہ سر بر آئے		امتحاناً ہمیں جلوہ نہ دکھانا ہرگز
جو چلا تیر ستم دل سے وہ گذرا اے چرخ		تیرا خالی نہ گیا کوئی نشانا ہرگز
ذکر بربادیٔ دہلی کا سنا کر ہمدم	۱۴	نیشتر زخم کہن پر نہ لگانا ہرگز
آب رفتہ نہیں پھر بحر میں پھر کر آتا	۱۵	دہلی آباد ہو یہ دھیان نہ لانا ہرگز

وہ تو باقی ہی نہیں جن سے کہ دہلی تھی مراد
دہو کا اب نام پہ دہلی کے نہ کھانا ہرگز

گیتی افروز اگر حضرت نیّر رہتے
اتنا تاریک تو ہوتا نہ زمانا ہرگز

اب تو یہ شہر ہے اک قالب بیجاں ہمدم
کچھ یہاں رہنے کی خوشیاں نہ منانا ہرگز

درمیخانہ ہوا بند صدا ہے یہ بلند
یاں حریفانِ قدح خوار نہ آنا ہرگز

رہی یارانِ گذشتہ کی کہانی باقی
یہ تو بھولا ہے نہ بھولے گا فسانا ہرگز

اللہ اللہ نواب علائی کے کلام
جن سے رنگیں نہیں بلبل کا ترانا ہرگز

تو تو ہے انور و سیکش کی جدائی کا نشان
دلِ پُر درد سے اے داغ نہ جانا ہرگز

صوت بلبل طرب انگیز سہی پر ہمدم
درد فرسودہ دلوں کو نہ سنانا ہرگز

میں ہوں اک مجمع احباب کا بچھڑا گلچیں
مجکو گلدستۂ رنگیں نہ دکھانا ہرگز

جمع ہے مجمع احباب فضا میں تیرے
اے تصور یہ مرقع نہ مٹانا ہرگز

دل میں ہیں حسرت و انبوہ کے انبار لگے
اتنا یکجا نہ کہیں ہوگا خزانا ہرگز

ساقیٔ بزم تری طرز تغافل کے نثار
دردِ دسمے کا بھی ادھر جام نہ لانا ہرگز

کاکل و زلف بتاں تک ہیں پریشاں خاطر
نہیں جمعیت دل کا یہ زمانا ہرگز

پھر لائینگے یہ طالعے جو ذرا بھی پیتے
اے فلک خواب سواں کو نہ جگانا ہرگز

محفلِ عیش سے گر خط ہو اُٹھانا ای دوست
ہم سے آزردہ دلوں کو نہ بُلانا ہرگز

دار فانی میں نہ کر فکر قیام اے ناداں
گذر سیل ہے یاں گھر نہ بنانا ہرگز

جن کے ایوان تھے ہم پایۂ قصر قیصر
اُن کی ملتا نہیں قبروں کا ٹھکانا ہرگز

وہ گئے دن جو چمن زار میں دل لگتا تھا
سچ ہے یکساں نہیں رہتا ہو زمانا ہرگز

ہمصفیران چمن سب ہوئے گرم پرواز
اب خوش آتا نہیں گلزار میں جانا ہرگز

زغن و زاغ کی گلشن میں صدا ہے ہر سو
مرغ خوش نغمہ نہ آواز سنانا ہرگز

قصر حالی کے حوالی میں ذرا تم مجروح
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ہرگز

کون پردہ میں ہے یہ زمزمہ ساز
سخت دلکش ہے ساز کی آواز

قہر ہے چشم مست کا انداز
سحر سمجھو اگر نہیں اعجاز

زمزمہ سنجیاں سنائیں کسے
ہمصفیر اپنے کر گئے پرواز

آس توڑی شکستہ بالی نے
خون ہو کیوں نہ حسرت پرواز

پل میں کردے دلوں کو زیر و زبر
قہر ہے وہ نگاہ سحر طراز

منتخب کس کو چشم شوق کرے
ایک سے ایک ہے نیا انداز

شب غم سے نہ بحث زلف طویل
قصہ ہو جائے مفت میں دراز

دل کہ تھا منبع فیوض ازل
لٹ گیا غم سے وہ خزینۂ راز

آتی ہے ساز و بانگ مطرب سے
اسی نیرنگ ساز کی آواز

اس کا انجام کس نے دیکھا ہے
جان جانا ہے عشق کا آغاز

ہے مدبر امور عالم کا
کیا یہ بیکار ہی ہے پردہ راز

چہ میں یوسف ہے دار پر منصور
ہے عجب عشق کا نشیب فراز

دل کو برباد کر نہ اے بدخو
ہے یہ مجروح کا بڑا دمساز

ردیف سین مہملہ

یوں ہی گذرا بہار کا یہ برس
ہم اُسی طرح ہیں اسیر قفس

جب سے لئے بوسے بیشمار لئے
کتنا ہی وہ کہا کئے بس بس

اس میں طول امل ہزار ہزار
زندگی کا مدار ایک نفس

بیخودی لیگئی وہاں کہ جہاں
خوف قاضی ہے اور نہ بیم عسس

قید میں بھی ہے اک طرح کی بہار
شاخِ گل میں لٹک رہا ہے قفس

جلد پسماندگاں اُٹھاؤ قدم
دور سے آرہی ہے صوت جرس

قید نے کھوئے ولولے دل کے
پہلے ہم کو بھی تھی چمن کی ہوس

میں اور اُسکی رکھائیاں دیکھوں
کیا کروں دل نے کر دیا بے بس

چاک ہو جائے جامۂ ہستی
نہ مدد دے جو تار و پودِ نفس

ہے یہ مجروح کی دعا غالب
تم سلامت رہو ہزار برس

ردیف شین معجمہ

کسی کی بو تھی نسیم کی ہمدوش
ہم بہت دیر تک رہے بیہوش

آرزوئیں تو ہیں بہت لیکن
اپنے گویا نہیں لب خاموش

میکدہ میں ہیں ایک شاہ و گدا
یاں کسی کو نہیں کسی کا ہوش

اُس کا ادراک کر سکے کیا چشم
جس کا جلوہ عیاں و خود روپوش

یا تو یہ شوقِ دید اسے موسے
یا بس اک جلوہ میں ہوئے مدہوش

شوق میں بے ادب ہوا منصور
جوش میں دیگ کا گرا سرپوش

اس سے بڑھ کر ہے کونسی حسرت
مے نہ ہو اور ہو بہار کا جوش

اُس کا دیدار برقِ خرمنِ صبر
اُس کا جلوہ وداعِ طاقت و ہوش

تم اسے راست کیا سمجھتے ہو
سرو اور اُس سے ہو سکے ہمدوش

ق
ولولہ خیز ہے نسیمِ چمن
اندنوں ہے غضب بہار کا جوش

نغمہ پیرا ہیں بلبلانِ چمن
گل کے بھی وا ہوئے لبِ خاموش

غنچے خنداں ہیں مرغ زمزمہ سنج
اک طرح کا ہے سب کو جوش و خروش

یوں تو رندوں کا نام ہی بد ہے
پر یہ سنیئے ادھر لگا کر گوش

تھے جو مسجد میں شیخ صدر نشیں
وہ ہیں میخانہ میں پڑے بیہوش

ق
تھا دواں سوئے میکدہ مجروح
میں نے اُس سے کہا کہ اے مدہوش

نقد سے واں تو کام چلتا ہے
تو تو مفلس ہے کیا نہیں یہ ہوش

مفت میں مے جو تجکو دیدے گا
ایسا بیہوش کیا ہے بادہ فروش

ردیف صاد مہملہ

اُس کا غیروں سے اب بڑا اخلاص
وہ گئے دن جو ہم سے تھا اخلاص

بے بقائی میں ایک ہیں دونوں — جوش دریا کا یار کا اخلاص
اب تو دن رات اُس سے ہے ان بن — پیار کیسا ہے اور کیا اخلاص
دوست کا چاہیئے ہو باطن صاف — کیا ہے ظاہر میں گر ہوا اخلاص
ورد کرتے ہیں سورۂ اخلاص — تا بڑھے یار سے مرا اخلاص
یادگار زمانہ ہیں دونوں — یار کی دشمنی مرا اخلاص
جو ہیں اقرب وہ کا العقارب ہیں — پھر کہو کس میں اب رہا اخلاص
زر کے طالب ہیں سیتن اس جا — کام آتا نہیں نرا اخلاص
اُس کے اس ربط پر نہ جا ای غیر — کبھی ہم سے بھی تھا بڑا اخلاص
مجکو کہتا ہے دیکھ وہ بد خو — نہیں بھاتا یہ روز کا اخلاص
ہم کو اُس سے امید اُلفت ہے — جو نہیں جانتا ہے کیا اخلاص
گھر میں ملتے نہیں کبھی صاحب — سچ کہو کس سو اب بڑھا اخلاص

یار بیگانہ خو ہے اسے مجروح
اُس سے بیکار جائے گا اخلاص

ردیف صاد معجمہ

جو کہ میخانہ میں آئے کچھ نہ کچھ وہ پائے فیض — سمجھئے پیر مغاں کی ذات کو دریائے فیض
دیدۂ حق بیں تو کھولے تو اسکا کیا علاج — ورنہ ہیں چاروں طرف عالم میں وا درہائے فیض
اصل پانی ہو گل و خس میں زمیں کا فرق ہے — سچ ہے جس کا مادہ جتنا ہو اُتنا پائے فیض

مردہ صد سالہ کو اک آن میں زندہ کرے
وہ لب معجز بیاں اپنا اگر دکھلائے فیض

آہن و زر دونوں یکساں ہیں اگر آئینہ کام
نام دولت ہے اُسی کا جس سے کوئی پائے فیض

کوئی پھر اک دوسرے کے حال سے واقف نہ ہو
یہ نئی بے برگ عالم میں نہ گر پھیلائے فیض

دیکھنے کے واسطے یوں تو ہیں تصویریں بہت
آدمی کتنے ہیں اُسکو جس سے کوئی پائے فیض

تشنہ کام خوشدلی سیراب ہوتے ہیں یہاں
میکدہ سے بڑھ کے دنیا میں نہیں ہے جائے فیض

ہمکو انساں بھی بنایا اور مسلماں بھی کیا
یہ تو اے مجروح حق کا فیض ہے بالائے فیض

LIBRARY

ردیف طاء مہملہ

لخت دل کو ہے مرے چشم گہربار سے ربط
ہو نہ یاقوت کو کیونکر دُرِ شہوار سے ربط

دل کو کس طرح نہ پہلی خلشیں یاد آئیں
مدتوں تک ہی رہا آبلوں کو خار سے ربط

آہی جاتا شب ہجراں میں جو رکھتا وہ خیال
کچھ نہیں خواب کو اس دیدۂ بیدار سے ربط

اُنس ہوتا تو نہ یوں صاف نکل کر جاتا
اُسکے ناوک کو نہیں میرے دل زار سے ربط

رخ تاباں کے نہ کیوں پاس ہو زلف مشکیں
روز روشن کو ہمیشہ ہے شب تار سے ربط

حالت غم میں مددگار نہ دیکھا کوئی
اب ہمیں غیر سے رغبت نہ کسی یار سے ربط

جمع ضدین کا ہوتا ہے محال عقلی
دیدۂ تر کو ہو کیا آہ شرربار سے ربط

ہائے وہ پہلی محبت کا زمانہ کیا تھا
یار کو ہم سے محبت تھی ہمیں یار سے ربط

چشم فتاں کے نہ کس طرح سوا ابرو ہو قریب
چاہیے مرد سپاہی کو ہو تلوار سے ربط

کیجیے کوتاہی قسمت کا بیاں کیا مجروح
ہم نے کتنا ہی بڑھایا نہ بڑھا یار سے ربط

ردیف ظاء معجمہ

اُس سے مل کر کبھی نہ پایا حظ
زندگانی کا خاک اُٹھایا حظ

واہ رے درد ہجر و صلت کا
رگ و پے سے نکال لایا حظ

لطف بوسہ سے جو ملا اُس کا
اور دشنام نے بڑھایا حظ

خوش تھے زخموں سے ہم پہ سر جو کٹا
اس مزے نے وہ سب بھلایا حظ

غیر سے چھیڑ چھاڑ میں گذری
اُس کی محفل میں کچھ نہ پایا حظ

تب کئے ہیں مصائب شب ہجر
وصل کا جب کہ یاد آیا حظ

زندگانی ہے تلخ اُلفت کا
واہ رے عشق خوب پایا حظ

رہی اُس بدمزاج سے ان بن
وصل کا بھی ہمیں نہ آیا حظ

اس لئے تانہ دل میں ہو مغرور
وصل کا اُس سے بھی چھپایا حظ

زخم خنجر سے جو ملا مجروح
ہم نے غیروں سے وہ چھپایا حظ

ردیف عین مہملہ

اُس شعلہ رو کے سامنے کسطرح جائے شمع
ڈرتی ہے تاب رُخ سے کہیں جل نہ جائے شمع

پروانہ وار صدقے ہو اُس رشک مہر پر
طاقت اگر اپنے پاؤں میں چلنے کی پائے شمع

شاید وہ اپنے حسن کی دکھلائے گا نمود
کہتا ہے گھر میں شب کو نہ کوئی جلائے شمع

محفل میں اُس کی کاش اسیطرح یار ہو
دل کو مرے جلائے کوئی واں بجائے شمع

جاتے ہی اُسکے سامنے اسکا عجب ہو کیا
فانوس میں نہ فرط خوشی سے سمائے شمع

جب ایک شب ہی اُسکو امید حیات ہو
آنسو وفور غم سے نہ کیونکر بہائے شمع

قیمت میں اُس کے دام و درم کی طلب ہے کیوں
پروانہ کی تو جان ہی حاضر بہائے شمع

ازبس خجل ہوا اُس کے رُخ پُرضیا کو دیکھ
فانوس میں رُخ اپنا نہ کیونکر چھپائے شمع

پروانہ کو تو تو نے جلا کر کیا تمام
ہشیار سوزِ عشق کہیں رہ نہ جائے شمع

ہم پیشہ کو ہو درد یہ دل چاہتا نہیں
اپنے مزار پر تو نہ کوئی جلائے شمع

پروانہ کے تو حق میں ہی پتھر سے بھی سوا
یوں تو در اصل موم ہی سے ہے بنائے شمع

عشاق کے نصیب میں ہیں جاں نثاریاں
رو رو کے اپنی جان کہاں تک کھپائے شمع

پروانہ ایسے حسن پہ کیونکر نہ مر مٹے
سانچے میں ہی ڈھلا ہوا سرتا بہ پائے شمع

کیا خاک کر دیا ہے پتنگے کو بے قصور
کس طرح سے نہ اشکِ ندامت بہائے شمع

کس طرح دوڑ دوڑ کے جائے نہ اُس طرف
پروانہ کے تو سر میں بھری ہے ہوائے شمع

مجروح آج تو ہے شب وصل ماہ رو
کہدو کہ کوئی جلدی سے آکر بجھائے شمع

ردیف غین معجمہ

سچ ہے دلکش تو ہے تفرّج باغ
دیں پریشانیاں جو دل کو فراغ

خوب دیر و حرم کو دیکھ آئے
ہم کو کچھ بھی لگا نہ اُن کا سراغ

دل ستم دوست ہے لگا ہر دم
زخم پر زخم اور داغ پر داغ

آکے روشن کرو سیہ خانہ
گھر میں مفلس کے ہو تمہیں چراغ

کاسۂ عمر گو تہی ہو جائے
پر نہ خالی شراب کا ہو ایاغ

عرش پر بھی تو ڈھونڈ آئے مگر
ہم کو اُن کا کہیں ملا نہ دماغ

تمکو ملنے کی گر نہیں فرصت
ہمکو بھی اپنے غم سے کب ہے فراغ

دیکھ کر دل کو یار کہتا ہے
چیز اچھی تھی گر نہ لگتا داغ

سرد آہیں نہ دل کو مار رکھیں
ہے ہوا تند بجھ نہ جائے چراغ

نہیں اُس کا پتہ بھی دنیا میں
نام عنقا کا دوسرا ہے فراغ

ایک آزاد طبع سے مجروح
اُٹھ سکا اس سے کب کسی کا دماغ

ردیف فا

نہ تو مے میں ہے نہ وہ ساغر سرشار میں لطف
جو کہ رندوں کو ملا ہے نگۂ یار میں لطف

باغ فردوس بھی ملجائے تو کچھ کام نہ آئے
زندگی کا ہے فقط صحبت دلدار میں لطف

گھر میں آسودہ مجھے کیونکہ وہ دکھیں سچ ہے
آبلوں کو تو ملا ہے خلشِ خار میں لطف

اک نظر دیکھ لیا جس کو وہ دیوانہ ہوا
کس بلا کا ہے تری چشم فسونکار میں لطف

دل ہی کو سوز محبت سے جلایا ہر طرح
ورنہ کیا خاک ہے اس آہ شرربار میں لطف

بیٹھ کر پاس مرے کیونکہ نہ وہ گھبرائیں
اُن کو ملتا ہے بہت صحبت اغیار میں لطف

جانِ افسردہ سے کیا خوش دلِ غمگیں ہوگا
سچ ہے بیمار کو کیا صحبت بیمار میں لطف

ہائے اُس چشم سخن گو کے اشارات نہاں
اُس سے افزوں تو نہ پایا کسی گفتار میں لطف

یاس کلّی نے کیا شادی و غم کو یکساں
دل کو آتا ہی نہیں اب تو کسی کار میں لطف

دل کو بےچین کئے دیتی ہے اُس کی گفتار
بھر دیا کوٹ کے ہے لعلِ شکر بار میں لطف

یار کے ساتھ گیا رات کے سونے کا مزہ
اب نہیں خواب کا اس دیدۂ بیدار میں لطف

معرضِ بیع میں یوسف سا گہر آتا ہے
آج ہی چلنے کا ہے مصر کے بازار میں لطف

جان کر اُس کے جلانے کو بُرا کہتا ہے
اُس کو آتا تو ہے مجروحؔ کے اشعار میں لطف

ردیف قاف

شیخ تم جانتے ہو کیا ہے عشق
عشق بازوں کا پیشوا ہے عشق

کوئی مجنوں ہے کوہکن کوئی
خوب دھومیں مچا رہا ہے عشق

سرو و گل میں ہزار و قمری کو
اپنے جلوے دکھا رہا ہے عشق

کہیں بلبل کہیں ہے پروانہ
الغرض یہ کہ جا بجا ہے عشق

کوہ کا کام کاہ کرتی ہے
قدرت اپنی دکھا رہا ہے عشق

دل لگانے کے ہیں اسی سے لطف
جان سے بھی ہمیں سوا ہے عشق

دل پھنساتا ہے یہ فرشتوں کے
سچ تو یہ ہے کہ بد بلا ہے عشق

ہیں حبیب خدا رسول اللہ
دیکھ کس جا پہنچ گیا ہے عشق

جان انساں کی لینے والوں میں
ایک ہے موت دوسرا ہے عشق

ذرہ اور لافِ الفت خورشید
نام آور بنا رہا ہے عشق

کیوں نہ مضطر ہوں و یاں عشاق
ابر کی طرح چھا رہا ہے عشق

کر دے عاقل کو دم میں دیوانہ
سچ تو یہ ہے کہ بد بلا ہے عشق

اُس پریرو کو دل نہ دے دینا
دیکھ مجروح بد بلا ہے عشق

ردیف کاف تازی

گلہ کیوں غیر کا آیا زباں تک
یہ پرسش ہوگی اے صاحب کہاں تک

میری حالت پہ رحم آئے ہی آئے
کسی ڈھب سے وہ آجائیں یہاں تک

کدھر ہو اے نوا سنجان گلزار
تمہیں پہنچاؤ ہم کو بوستاں تک

بچھی ہیں رہ میں مشتاقوں کی آنکھیں
سنبھل کر جاؤ اُس کے آستاں تک

نہاں ہیں ہر قدم پر دام تزویر
نہیں آساں پہنچنا آشیاں تک

نہ پوری بات بھی نکلی زباں سے
وہ آئے بھی تو کب اس نیم جاں تک

کدھر جائیں گے یہ پس ماندہ راہ
نہیں باقی ہے گردِ کارواں تک

ہمیں اس نالہ سوزاں نے مارا
پھپھولے پڑ گئے دل سے زباں تک

ادھر بولے اُدھر تلوار نکلی
سہیں اس بدمزاجی کو کہاں تک

یہ سمجھو اتفاقاتِ زمانہ ہے
وہ کچھ قصداً نہیں آئے یہاں تک

اگر یہ ہی تغافل ورزیاں ہیں
جیئے گا کون ان کے امتحاں تک

ہر اک کو میل ہے مرکز پہ اپنے
محبت ہے زمیں سے آسماں تک

ہوئے کس ساعت بد میں گرفتار
قفس سے پھر نہ پہنچے آشیاں تک

وہ وعدہ کر کے بھی آئے نہ مجروح
بھلا ہم دل کو بہلائیں کہاں تک

ہم کو وحشت نے کر دیا بے باک
ہے گریبان تا بہ دامن چاک

جو ہمارے غبار سے بھاگے
اُس سے امید ہم رکھیں کیا خاک

باغ میں گل ہیں اور بھی پر مست
تاک ہی پر لگا رہے ہیں تاک

نذر کر اُس کے عقل و ہوش و حواس
سارے جھگڑوں سے ہو گئے بیباک

صفِ عشاق صاف کرتا ہے
کس کی سنتا ہے قاتلِ سفّاک

مہرباں ہو چلا ہے وہ مہ رو
رنگ لائے نہ گردشِ افلاک

ہے خطا بخش وہ ہمیں جس نے
آبِ ناپاک سے کیا ہے پاک

جو ہوا سامنے وہ قتل ہوا
میرے قاتل کی ہر طرف ہی دھاک

توسنِ عمر سے رہو ہشیار
دے نہ پٹکے یہ رخش ہے چالاک

اب بھلا ہم سے آشنائی کیا
اُن کا اعدا سے بڑھ رہا ہے تپاک

یہ بھی مجروح کوئی صورت ہے
مو پریشان اور منہ پہ خاک

پہنچ کیوں کر ہوا نہی اُس کے گھر تک — بھری ہے راہ مشتاقوں سے در تک
وہ کل آئیں گے یہ مانا و لیکن — کسے امید جینے کی سحر تک
ہوائے گل ہے اب نے شوق پرواز — یہ تھے سارے بکھیڑے بال و پر تک
کسی کی یاد میں یہ بے خودی ہے — کہ ہوش آتا نہیں دو دو پہر تک
برتتا ہے غضب بیگانہ وضعی — یہ کیا ممکن کہ مل جائے نظر تک
ابھی اُس نہی کا اثبات کرتے — نہ پہنچا ہاتھ پر اُس کی کمر تک
یہ اُس کی دوری کی شورشیں ہیں — قیامت آئے کب اُس رہگذر تک
ترا خنجر بتا کیا چاہتا ہے — دریغ اُس سے نہیں ہے ہمکو سر تک
بلا کا توڑ ہے ناوک میں اُس کی — کہ دل کو توڑ کر پہنچا جگر تک
وہ مست ناز کیا جانے کہ کوئی — رہا ہے سر کو ٹکراتا سحر تک
ہجوم یاس سے راہیں بھری ہیں — یہ آہیں کیونکہ پہنچیں گی اثر تک
انہیں کیا حکم اے ضبطِ محبت — کچھ آنسو آ گئے ہیں چشم تر تک
یہی مجروح کی خواہش ہے یارب — کہ پہنچے روضۂ خیر البشر تک

ردیف لام

نہیں راز ہستی جتانے کے قابل — یہ پردہ نہیں ہے اُٹھانے کے قابل
طلب بوسہ کرتے ہی جھنجلا کے بولے — کہ تو تو نہیں منہ لگانے کے قابل
کیا ضعف نے یہ نکما کہ اب ہم — نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل
اُس آئینہ رو کی بد اطواریوں نے — نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل

زمانہ نے ڈالا جدائی کا پردہ
ہوئے جب وہ جلوہ دکھانے کے قابل

طلب سے مری مُسکرا کر وہ بولے
ہوئے تم بھی ہم کو بلانے کے قابل

جو کیں فرشِ رہ اُن کی آنکھیں تو بولے
یہ فرش اور میرے بچھانے کے قابل

غضب حال عاشق میں لذت بھری ہے
یہ قصہ ہے اُس کے سُنانے کے قابل

ہوا مسئلہ عشق کا حل نہ اُن سے
ہوئے دم بخودیاں زمانے کے قابل

گلِ داغ سینہ میں کیا کھل رہے ہیں
یہ ہے باغ اُن کے دکھانے کے قابل

کیا درد کو منتخب اُن کے میں نے
کہ پہلو میں ہے یہ بٹھانے کے قابل

وہ پہلے ہی موہوم ہے نقشِ دنیا
جسے سمجھے ہیں ہم مٹانے کے قابل

مرے زخمِ دل دیکھ کر یار بولا
کہ مجروح ہے رحم کھانے کے قابل

ذرا بہلائیے آکر یہاں دل
کہ ہے داغوں سے اپنا گلستاں دل

یہ ہے مرآتِ طرزِ خود نمائی
تمہارے کام کا ہے میری جاں دل

نہ بیمِ جاں نہ رسوائی کی دہشت
نہیں کچھ سوجھتا آیا جہاں دل

بناؤ سنگ و آہن کا کلیجہ
حقیقت اپنی کرتا ہے بیاں دل

نہ ہو گر وہ تو پھر یہ بھی نہ ہوگا
غمِ دلدار سے ہے تواماں دل

ہزاروں انقلابِ دہر دیکھے
مگر اُس کا نہ دیکھا مہرباں دل

ہر اک پر کیا کھلے اُس کی حقیقت
ہے اک گنجینۂ رازِ نہاں دل

نبھے کیونکر کہ ہے ضدین مانع
وہ ہرجائی ہے اپنا بدگماں دل

وہاں کیا قدر اس ٹوٹے سے دل کی — پھرے ہیں خاک میں رُلتے جہاں دل
کروں واں ظاہر آرائی بھی لیکن — نہیں چھپتا مرا حسرت نشاں دل
ہزاروں ہیں نمایاں داغ و ناسور — بہت رکھتا ہے الفت کے نشاں دل

وہ غارتگر ادھر سے آج گذرا
اب اے مجروح پہلو میں کہاں دل

مدت ہوئی اب کہنے میں اپنو ہے کہاں دل — کھٹکا ہے جہاں جاں کا اٹکا ہے وہاں دل
یہ آتشِ پنہاں تھی کہیں چھوڑنے والی — اب ایک کفِ خاک ہے پہلے تھا جہاں دل
ہنس بول چکے ہو تو توجہ ہو ادھر بھی — کچھ اپنے غم و درد کا کرتا ہے بیاں دل
کچھ اور ہی وہ ہو گئے صحبت میں عدو کی — ہے اب بھی ملاقات پہ اگلا سا کہاں دل
ہوتا ہی نہیں اُسکی خلش سے کبھی آرام — بنتا ہے شبِ ہجر میں اک نوکِ سناں دل
اک گوشت کا ٹکڑا تو تڑپتا نہیں دن رات — ہاں اصل میں ہے مادۂ برقِ تپاں دل
یہ مجمعِ اضداد محبت نے کیا ہے — ہے آبِ فشاں چشم تو ہے شعلہ فشاں دل
مشکل ہے بہت اُس کے نکاتوں کا سمجھنا — گنجینۂ اسرارِ نہانی ہے یہاں دل
اپنے دلِ پژمردہ کی واں قدر ہو کیا خاک — رُلتے پھریں پاؤں کے تلے سوز جہاں دل
کیا جانے کوئی اُس نگۂ ناز کے برتاؤ — کچھ اُس کے سمجھتا ہے اشاراتِ نہاں دل
پیچ و خم و کاکل میں تو مجروح نہ پایا — معلوم نہیں اُس نے چھپایا ہے کہاں دل

ردیف میم

یا علی نائبِ خدا ہو تم — کیوں نہ بندوں کے پیشوا ہو تم

منعکس اُسمیں ہے رضائے خدا
آئینہ دار ہل اتیٰ ہو تم

مصطفیٰ کے خلیفۂ برحق
حسب فرمان اِنما ہو تم

کیوں نہ مرحب سے ہو نبرد آرا
بُرِشِ تیغ لافتا ہو تم

واہ رے فضل دورِ آخر میں
اوّل جملہ اوصیا ہو تم

روح کی طرح چشم عالم میں
نہیں ظاہر پہ جابجا ہو تم

اس کے آگے ہے بس خدا کا نام
زہد و طاعت کی انتہا ہو تم

جن کا ثانی نہیں جہاں میں وہ
یا تو خیر الوریٰ ہیں یا ہو تم

باوجود اختیار کُلّی کے
سالک مسلک رضا ہو تم

کس کا ادراک جز پیمبر کے
کون سمجھے تمہیں کہ کیا ہو تم

دشمنوں کے نہ کیونکہ ہوں دم بند
حصن خیبر کے در کشا ہو تم

جائے معصوم کا احق معصوم
نائب سید الوریٰ ہو تم

یوں تو اللہ نے کئے سب خلق
اُن میں پر اصل مدعا ہو تم

بستہ خاطر رکھو نہ یا مولا
اک جہاں کے گرہ کشا ہو تم

دم یہاں کون مار سکتا ہے
نفس پیغمبر خدا ہو تم

صابر و شاکر و حلیم و کریم
مرکز اُن سب کے مرتضیٰ ہو تم

اپنے مجروح کو ضلالت سے
رہ پہ لاؤ کہ رہنما ہو تم

اثر آہ کا گر دکھائیں گے ہم
ابھی کھینچ کر تم کو لائیں گے ہم

ذرا رہ تو اے دشت آوارگی
ترا خوب خاکہ اُڑائیں گے ہم

فسانہ ترے زلف شبرنگ کا
بڑھے گا جہانتک بڑھائیں گے ہم

وہی دردِ فرقت وہی انتظار
بھلا مر کے کیا چین پائیں گے ہم

وہ گمراہ غیروں کے ہمراہ ہے
اُسے راہ پہ کیونکہ لائیں گے ہم

قفس سے ہوا اذن پرواز کب
یہ خواہش ہی دل سے اُڑائیں گے ہم

طلسمِ محبت ہے عاشق کا حال
اُنہیں بھی یہ قصہ سنائیں گے ہم

وہ نخوت سے ہیں آسماں سے پرے
کہاں سے اُنہیں ڈھونڈ لائیں گے ہم

نہ کر آہ یہ شورش افزائیاں
تجھے بھی کبھی آزمائیں گے ہم

نہ ٹوٹے گا سر رشتۂ اختلاط
وہ کھینچیں گے جتنا بڑھائیں گے ہم

یہ مانا کہ ہو رشک حور و پری
مگر آدمیت سکھائیں گے ہم

حذر تیرِ مژگاں کی بوچھاڑ سے
یہ اک دل کہاں تک بچائیں گے ہم

ہمیں زہر و خنجر کی ہے کیوں تلاش
شبِ غم میں کیا مر نہ جائیں گے ہم

نہ نکلا کوئی ڈھب تو بن کر غبار
نظر میں تمہاری سمائیں گے ہم

کہاں گھر میں مفلس کے فرش و فروش
وہ آئے تو آنکھیں بچھائیں گے ہم

ترے قد سے کی سرو نے ہمسری
اُسے آج سیدھا بنائیں گے ہم

نہیں غسل میت کی جا قتل گاہ
مگر خاک و خوں میں نہائیں گے ہم

رہ عشق سے نابلد ہے ابھی
خضر کو یہ رستہ بتائیں گے ہم

ہوا وصل بھی تو مزا کون سا
وہ روٹھیں گے ہر دم منائیں گے ہم

شب و روز دل کو گریدیں نہ کیوں
یہیں سے پتہ اُس کا پائیں گے ہم

عبث ہے یہ مجروح طول امل
بچھڑے یہ سب چھوڑ جائیں گے ہم

میرے دل میں تو ہر زماں ہو تم
چشم ظاہر سے کیوں نہاں ہو تم

بیوفائی کا عیب کیا ہے
یہ تو سچ ہے کہ میری جاں ہو تم

جب چلو ٹیڑہی کی چلتے ہو
میرے حق میں تو آسماں ہو تم

دل و دیں دونو نذر کرتا ہوں
ایسی چیزوں کے قدرداں ہو تم

دیکھ غمگیں مجھے بگڑتے ہو
پرلے درجے کے بدگماں ہو تم

عرش پیمائیے خیال عبث
کون پہنچا۔ وہاں جہاں ہو تم

بات میں دل کو کھینچ لیتے ہو
کس قیامت کے خوش بیاں ہو تم

ہے سوال اور۔ اور جواب ہے اور
سچ کہو اس گھڑی کہاں ہو تم

بچئے اغیار کی نظر نہ لگے
چشم بد دور نوجواں ہو تم

دشمنی ہم کریں تو کس کس سے
ایک عالم پہ مہرباں ہو تم

زلف کے بار سے کمر لچکے
کس قدر نازک اے میاں ہو تم

دیکھنے کی مجال ہے کس کو
مثل خورشید گو عیاں ہو تم

ہے وہی ٹھیک جو کہو مجروح
کیوں نہ ہو صاحب زباں ہو تم

ردیف نون

لوگ حضرت کو رسول دوسرا کہتے ہیں
ہم تو اک مظہر اسرار خدا کہتے ہیں

کیا ہی اُس ذات مبارک کو شرف ہے جسکے
نام کے لیتے ہی سب صلِ علیٰ کہتے ہیں

شافع محشر و فخر بشر و ختم رسل
لوگ جو آپ کو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

آپ جب ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو سکان فلک
سارے آمین بہنگام دعا کہتے ہیں

ہاں طلبگار جناں آؤ در حضرت پہ ہر
یہ مکاں وہ ہے جسے خلد بنا کہتے ہیں

نفس واحد نے کیا ایک جہاں کو تسخیر
دیکھ منکر اسے الطاف خدا کہتے ہیں

آپ کی مدح سے انساں ہی نہیں ہیں عاجز
تم فرشتوں سے تو پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں

دے دیا اُس کو بھی جو ساتھ تن تھی چادر
معنئے جود یہ ہیں اس کو عطا کہتے ہیں

مجکو تو مانع گفتار ہے آداب خدا
اُسکے دیوانے نہ کچھ پوچھئے کیا کہتے ہیں

اُن کو ہے شافع محشر کا بھروسہ کتنا
ہم ہیں ناجی یہی سب اہل خطا کہتے ہیں

شب معراج میں یہ قرب ہوا حضرت کو
بیچ میں ایک بھی پردہ نہ رہا کہتے ہیں

مطلع جسکو کسی پر نہ کیا تھا حق نے
اپنے محبوب سے وہ راز کھلا کہتے ہیں

فخر ہے اُن کی غلامی کا مجھے اے مجروح
جن کو سب اہل جہاں آل عبا کہتے ہیں

بیٹھو ادب سے ہرزہ سرا ہو یہاں نہیں
حضرت کی نعت ہے یہ کوئی داستاں نہیں

فارق ہے عقل خالق و مخلوق میں مگر
کہتے ہیں اُس کے مست دوئی درمیاں نہیں

خدمتگذار جس کے ہوں در پر ملائکہ
کیا ہے عجب گر اُس پہ بشر کا گماں نہیں

رہتی ہے اشتیاق مدینہ میں ساتھ ساتھ
اس قافلہ میں گرد پس کارواں نہیں

ٹھہرو ادب سے دور گروہ ملائکہ
حضرت کا آستاں ہے یہ کچھ آسماں نہیں

بازار جو کہ شافع روز جزا کا ہے / وہاں جنس معصیت کی سوا کچھ گراں نہیں
آلودگیٔ جرم پہ لوثِ گناہ پر / اے ابر مکرمت تیری ریزش کہاں نہیں
ہے آپ ہی کے فیض قدم سے قیام دہر / منکر کیا کریں کہ قدم کا نشاں نہیں
اُڑنے کے بدلے ہوش اُڑے جبرئیل کے / وہاں پہنچے آپ تاب ملائک جہاں نہیں
ریزش ہے بسکہ نور الٰہی کی دمبدم / افراط ضو سے چہرۂ اقدس عیاں نہیں
سائے میں سائبان تقدس کے دبگیا / اے آسمان کچھ تری شوکت یہاں نہیں
توریت سے غرض ہے نہ انجیل سے ہے کام / یہ سکۂ قدیم تو رائج یہاں نہیں
رحمت کو اپنی کر کے مجسم رواں کیا / ہم پر فزوں خدا سے کوئی مہرباں نہیں
آئے زبان پاک پہ کیوں ذکر دنیوی / اس کام کے لئے لبِ معجز بیاں نہیں
اُس در پہ ہوتا اُن کی وساطت سے بوسہ زن / پر کیا کروں رسائیِ وہم و گماں نہیں
محشر میں اختصار میں کنج مزار میں / خواہاں تری مدد کا یہ عاصی کہاں نہیں
کیجو مری مدد سفرِ ناگزیر میں / جز ذات پاک واں کوئی منزل رساں نہیں

مجروح یہ تو آدم و عیسےٰ کا فخر ہے
کیا کیجیے اُس کی نعت کہ ایسی زباں نہیں

اسیر رنج میں یا شاہِ ذو الفقار ہوں میں / ہیں آپ عقدہ کشا اور بستہ کار ہوں میں
ستا رہی ہے یہ آشفتہ خاطری کیا کیا / تمہارے لطف و کرم کا اُمیدوار ہوں میں
نگاہ مہر سے ہو اضطرار کو تسکیں / قرار بخش جہاں سخت بیقرار ہوں میں
کبھی ہے فکر مآل اور کبھی خیالِ عیال / ہر ایک حال میں آشفتہ روزگار ہوں میں

بدوں کی ہے نگرانی شعار نیکوں کا
غلام آپ کا ہوں گو گناہ گار ہوں میں

ہوائے لطف چلے اور گل مراد کھلے
اس انتظار میں اے شاہ کامگار ہوں میں

ہمارا نخل تمنا سدا رہا بے بر
خزاں بھی جس سے خجل ہو وہ نوبہار ہوں میں

زلال لطف سے تسکیں فزا ہو یا مولا
کہ شعلۂ تپ حرماں سے شعلہ زار ہوں میں

عیوب پوش ہیں مولا اگرچہ بد ہے غلام
اسی امید میں ہوں اور شرمسار ہوں میں

کیا ہے اس دل ناداں نے سخت شرمندہ
سفید بال ہوئے اور سیاہ کار ہوں میں

قطعہ

جو فکر جانئے مجکو تو لغو بیہودہ
اگر حواس سمجھئے تو انتشار ہوں میں

نہ کوئی گل ہوں تو سونگھے نہ عطر ہوں تو ملے
غرض یہ ہے کہ زمانہ کا ننگ و عار ہوں میں

نگاہ لطف کے ہونے کی دیر ہے پھر تو
بدل یہ جاؤں کہ محسود روزگار ہوں میں

طبیب لطف ہو مرہم نہ دل مجروح
کہ زخم دشنۂ غم سے جگر فگار ہوں میں

نہ وہ برق میں ہے نہ سیماب میں
تڑپ ہے جو دل کی تپ و تاب میں

حذر سرمہ آگیں نگہ سے حذر
بجھی ہے یہ شمشیر زہر آب میں

وہ یوسف سے کیوں بھاگتی ہی مگر
زلیخا نے دیکھا تمہیں خواب میں

خدا دشمنوں کے نہ چیتے کرے
وہ آئے تو ہیں بزم احباب میں

کوئی لخت دل آکے اٹکا ہے کیا
کھٹک سی ہے کچھ چشم پر آب میں

وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا
یہ مستی کہاں بادۂ ناب میں

کوئی میرے دل ہی سے پوچھو اسے
تپش ہے جو آہ جگر تاب میں

مگر طعنہ دیں گے کہ ہجر اور نیند ۔ وہ بے وجہ آئے نہیں خواب میں
یہاں کی بھی ہے سیر کرنی ضرور ۔ سفینہ کو جانے دو گرداب میں
گئیں دل کی وہ شورش افزائیاں ۔ رہا کچھ نہیں جان بیتاب میں
پیالہ نہیں خم لبوں سے لگاؤ ۔ تکلف کو جانے دو مہتاب میں
نہ غربت میں کی بات تک خضر سے ۔ رہے غرق یہ یادِ احباب میں
نہ کر شور اے نالۂ بے ادب ۔ یہ ہیں کس کی آنکھیں فلک خواب میں
کہاں گھر جب اشکوں کا یہ شور ہو ۔ بنا کوئی تھمتی ہے سیلاب میں
مداوائے زخمِ جگر خوب ہو ۔ نمک بھی جو مل جائے تیزاب میں

خبر کیا سنی مرگِ مجروح کی
اُداسی ہے کچھ بزمِ احباب میں

ہے ہم شبیہ شکل مگر دیدہ ور کہاں ۔ نرگس میں ہیں نگاہِ محبت اثر کہاں
ہم چشم میری چشم سے ہو ابر تر کہاں ۔ اُس سے بھلا تراوش خونِ جگر کہاں
کیوں میری بود و باش کی پرسش ہے ہر گھڑی ۔ تم تو کہو کہ رہتے ہو دو دو پہر کہاں
دعوے کو راست میری محبت نے کر دیا ۔ کہتے ہیں سچ کہ مجھ سے کوئی خوب تر کہاں
جو بے خبر ہیں انکو حضوری اُسی کی ہے ۔ جو باخبر ہیں یار کی اُن کو خبر کہاں
کچھ کچھ چلن ہے حشر میں رفتارِ یار کا ۔ ہے وہ بھی فتنہ خیز مگر اسقدر کہاں
گو اُس کے عام جلوے ہیں بہ ہر دو جہاں ۔ پر ہم کو فرطِ رشک سے تابِ نظر کہاں
لے لینا دل کسی کا ہنسی کھیل تو نہیں ۔ آنسا ہر اک کا غمزۂ جادو اثر کہاں

احساں ہے سر پہ پائے منازل نورد کا
ورنہ گذار تھا درِ مقصود پر کہاں

نالہ ہو یا کہ آہ ہو یا جذبِ دردِ دل
جو اس کے برخلاف ہو اُسمیں اثر کہاں

کہتا ہے مجھ کو دیکھ سکے کون سچ تو ہے
جس جا وہ ہے نگاہ کا اُس جا گذر کہاں

تھا اُس کا دیکھنا ہی سراسر خلافِ عقل
کمبخت جا پڑی ہے ہماری نظر کہاں

جنت میں دل لگا نہ درِ خلد کچھ جچا
لیجائے دیکھئے ہمیں ذوقِ نظر کہاں

طے کر سکا نہ منزلِ دشوار کو مری
کیا جانیں تھک کے بیٹھ رہا راہبر کہاں

اپنوں سے ارتباط نہ یاروں سے اختلاط
یہ عمر اتنی تم نے گذاری خضر کہاں

گو لاکھ بار ریزشِ ابرِ بہار ہو
ہوں شاخِ خشک مجکو امیدِ ثمر کہاں

پہلے نہ کیونکہ صبح سے اُٹھ بیٹھے شیخ شہر
پائی ہے اُس نے لذتِ خوابِ سحر کہاں

مجروح آپ شوق سے مجھ کو بتائیے
یہ پوچھے گر کوئی ہے تبر سے بتر کہاں

آہِ دلسوز نہیں نالہ شرربار نہیں
وہ تپِ ہجر کی اب گرمئے بازار نہیں

ظلم نو کا ہے طلبگار دلِ درد پسند
ہائے کچھ طرزِ ستم سے وہ خبردار نہیں

اور تو جو کہ مصائب ہیں وہ سب مشکل ہیں
ایک مرنا ہی شبِ ہجر میں دشوار نہیں

ہو گیا شغل ہے اک منتظری کا دل کو
اُس کے کچھ آنے نہ آنے سے سروکار نہیں

میں جو کہتا ہوں کسی رات کو سو یاں آکر
ہنسکے کہتے ہیں کہ طالع ترا بیدار نہیں

تم تو رہتے ہو شب و روز تصور میں مرے
کچھ نگہبان تمہارا یہ خبردار نہیں

کیا ترے لب یہ کسی تلخ دہن سے ہیں ملے
آج باتوں میں وہ شیرینیِ گفتار نہیں

سن کے سب حال مرا کہنے لگے کیوں صاحب
تم تو کہتے تھے مجھے طاقت گفتار نہیں

عکس تیرا تجھے آئینہ میں تکتا ہے سدا
کون ہے وہ جو ترا طالب دیدار نہیں

ہے حمایل کبھی گردن میں کبھی طوق کمر
دست گستاخ شب وصل میں بیکار نہیں

اس میں مہتاب ہو کیا اسکی سحر ہو کیونکر
یہ مرے بخت کا سایہ ہے شب تار نہیں

میرے صیاد کی ہے قید بہ از آزادی
اس سے پوچھو جو کوئی اسکا گرفتار نہیں

چشم بیمار نہیں چھوڑتی خونخواری کو
جس میں پرہیز ہو وہ کیا اسے آزار نہیں

خاک رہ ان کا بنوں کیا کہ تکبر کے سبب
رکھتے وہ پاؤں زمیں پر دم رفتار نہیں

گھر سے صیاد کے آتی نہیں آواز حزیں
کیا قفس میں کوئی اب تازہ گرفتار نہیں

نقش پا بھی تو نہیں اس کا ٹھہرتا یکجا
قہر ہے ظلم ہے وہ شوخئ رفتار نہیں

غفلت افزا ہیں یہ مستانہ نگاہیں کس کی
ایک بھی میکدۂ دہر میں ہشیار نہیں

ہو کبھی صوفی صافی کبھی رند بدمست
یہ تو باتیں تمہیں مجروح سزاوار نہیں

بیکار اس نگاہ کا گر نیشتر نہیں
کیوں ان دنوں تراوش خون جگر نہیں

وہ میرے گھر کے سامنے سے جائیں اسطرح
اے ہمنشیں رقیب کا گھر تو ادھر نہیں

واں حسن کا غرور ہے یاں فرط شوق ہے
ان کو ہماری اور ہمیں ان کی خبر نہیں

یوں بھولے بھولے رہتے ہو دن رات کس لئے
پنہاں لگاؤ غیر سے تم کو اگر نہیں

کیوں اسقدر ہے برہم و آشفتہ زلف یار
تشبیہ میرے حال سے اس کو اگر نہیں

زاہد پیالہ تھام جھجکتا ہے کس لئے
اس مفت کی شراب کے پینے کا ڈر نہیں

بوچھاڑ کیوں ہے سنگ حوادث کی اسقدر
اے چرخ سفلہ میں شجر بارو بر نہیں

اس چار دن کے حسن پہ یہ کم نگاہیاں
افسوس کچھ مآل پہ تم کو نظر نہیں

صیاد کاٹ ڈالے اگر جائیں دام میں
اڑنے کے واسطے یہ مرے بال و پر نہیں

نسبت ہی روز حشر و شب ہجر میں یہی
اس کی نہیں جو شام تو اسکی سحر نہیں

بیتاب ہوکے چونک تو اٹھتے ہیں روز وہ
کیونکر کہوں کہ نالۂ شب میں اثر نہیں

حال اضطراب دل کا لکھا خط میں اسلئے
تا رہروی میں دیر کرے نامہ بر نہیں

مجروح خستہ مرگیا ہو خبر تو لو
اس کی گلی میں رات سے کچھ شور و شر نہیں

خیال روئے آتشناک ہے اس دیدۂ تر میں
طلسم عشق نے یاں آگ بھڑکائی سمندر میں

نہ وہ شامل ہوئے آکر ہماری حال ابتر میں
وداع جان ہے اور دل رہا جاتا ہے دلبر میں

سنانے کیا ہو مژدہ آمد فصل بہاری کا
یہاں سال گذشتہ ہی کی شورش ہے ابھی سر میں

ٹھکانا ہی نہیں جور و ستم کا مجھکو حیرت ہے
کرینگے عذر کس کس ظلم کا وہ روز محشر میں

گلوئے تشنہ میں کتنی ہے قوت جذب کی یارب
کہ اس بیرحم کی باقی نہ رکھی آب خنجر میں

ہجوم بدگمانی اور وفور شوق تو دیکھو
کہ پیچھے ہولئے خط باندھ کر بال کبوتر میں

ترقی پر ہے شاید ان دنوں ذوق نظر بازی
کہ افزونی نظر آتی ہے ہر دم روزن در میں

کسی نے کوٹکر بجلی کو شاید بھر دیا دلمیں
نئی ڈھب کی تڑپ ہے کچھ ہماری جان مضطر میں

وہ کہتے ہیں بھلا برسات میں بھی کوئی جاتا ہے
تصور کیونکہ میرا آئے تیرے دیدۂ تر میں

وہاں منعم کو ہے فکر قیام جاوداں ہر دم
یہاں رنگت زمانہ کی بدل جاتی ہے دم بھر میں

اگرچہ گھر سے اُس نے اک قدم باہر نہیں رکھا
مگر ہے شور اُس کانِ ملاحت کا ہر اک گھر میں

کہانی اپنی طولانی وہاں فرصت بہت تھوڑی
بیاں کس کس مصیبت کا کرونگا روز محشر میں

پڑے ہو فکر میں ناحق تمہیں گر بند کرنا ہے
مری آنکھوں ہی کو رکھدو نہ اپنے روزنِ در میں

ہم اُنکو دور سے ہی دیکھکر بیخود ہیں ہو جاتے
وہ جب تشریف لاتے ہیں تو ہم ہوتے نہیں گھر میں

غضب ہے دوریٔ منزل یہاں تو چلتے ہی چلتے
نہ وہ طاقت رہی پا میں نہ وہ شوریدگی سر میں

زلیخا نے بہت نقشہ جمایا پر مقدر سے
نہ صورت وصل یوسف کی ہوئی کاخِ مصور میں

کسی کے حال نیک و بد کا اُسدم کون پرساں ہے
تمہاری آمد آمد کا ہے ابتو شور محشر میں

نہ کر مجروح کچھ کوشش کہ جب دن آئینگے اچھے
تو بگڑے کام برسوں کے سنور جائینگے دم بھر میں

یہ بیچینیاں سر اُٹھائے ہوئے ہیں
کہ بستر پہ کانٹے بچھائے ہوئے ہیں

نہ ہم اُسکو خوابِ زلیخا سے بدلیں
ہمیں جو نظر میں سمائے ہوئے ہیں

سر آنکھوں پہ شرمندگی ہے تمہاری
یہ اعدا تو میری بلائے ہوئے ہیں

مگر دیدۂ تر نے کی آبیاری
گلِ زخم جو لہلہائے ہوئے ہیں

سعی میں رہے رہنما سے بھی آگے
قدم کو ہم اپنے بڑھائے ہوئے ہیں

کسے عشق میں یاد دنیا و دیں ہے
ہم اپنے ہی کو خود بھلائے ہوئے ہیں

فلک بھی ہوا بار سے جس کے عاجز
وہی بوجھ تو ہم اُٹھائے ہوئے ہیں

مزے وصل کے ہجر میں لے رہے ہیں
وہ آنکھوں میں ایسے سمائے ہوئے ہیں

گنہگار سمجھو بد اطوار جانو
مگر ہم اُسی کے بنائے ہوئے ہیں

وہ گلرو تو ہے ہار اُنکے گلے میں
عدو مجھ پہ کیوں خار کھائے ہوئے ہیں

تہی کرتی قالب نہ کیونکر صراحی
وہ ساغر لبوں سے لگائے ہوئے ہیں

گئے تھے جو کل لوٹنے ملکِ دل کو
وہ پھر آج تشریف لائے ہوئے ہیں

وہ گو تاک میں ہو پر اُس سمت برسے
ابھی تک تو ہم دل بچائے ہوئے ہیں

جو کھو بیٹھے اس طرح دنیا و دیں کو
کسے ایسا مجروح پائے ہوئے ہیں

کیا کہوں آفتیں جو چاہ میں ہیں
ڈوبے یوسف اسی سے چاہ میں ہیں

کیا بتاؤں نشان منزلِ دوست
دیر و کعبہ تو اُس کی راہ میں ہیں

اور صیاد کیوں نہ ہوں محروم
صید سب اُسکی صیدگاہ میں ہیں

تا بہ روز شمار ہو نہ شمار
فتنے اتنے تری نگاہ میں ہیں

روز ملنے میں ہے وہ بات کہاں
لطف جو وصل گاہ گاہ میں ہیں

مہر و قہر اُن کا کچھ نہیں کھلتا
ہم تو مدت سے اشتباہ میں ہیں

وہاں گئے وہ تو اُن کی خبر نہیں
چند صوفی جو خانقاہ میں ہیں

مثلِ نقشِ قدم ہر اک جا پر
منتظر بیٹھے اُن کی راہ میں ہیں

نظر انداز ہوں نہ اے قاتل
ہم بھی موجود قتل گاہ میں ہیں

در سے ٹکرا رہے ہیں سر عاشق
اور ابھی تک وہ خوابگاہ میں ہیں

قتل کرتے ہیں کیا ادا کیا ناز
جنگجو سب تری سپاہ میں ہیں

زاہد و رند کیا وہی ہیں خوب
جو پسند اُس کی بارگاہ میں ہیں

اُس کو دنیا ہی میں سمجھ لیجے	جو تعین گدا و شاہ میں ہیں

چھیڑ سے کہتے ہیں کہ اے مجروح
کیا مزے تیری آہ آہ میں ہیں

کیا زلیخا ہو خوش گلستاں میں	دل تو اُسکا پڑا ہے زنداں میں
یہ نزاکت اور اُس پہ غیروں سے	کیسی مضبوطیاں ہیں پیماں میں
تھی وہ مجنوں کے دم ہی تک رونق	خاک اُڑتی ہے اب بیاباں میں
جس سے ٹوٹیگا پلۂ میزاں	وہ گرانی ہے میرے عصیاں میں
ولولہ خیز ہے نسیم بہار	چپ ہوں کیوں بلبلیں گلستاں میں
کس کو معلوم جان کب نکلے	محو تھے ہم تو یاد جاناں میں
چشم خونبار کو مرے دیکھو	کیا دھرا ہے محیط و عماں میں
جال پھیلا رکھا ہے اُلفت نے	کیونکہ یوسف پھنسے نہ زنداں میں
ولولے اپنی جوشش وحشت کے	لطف دکھلائینگے بیاباں میں
کیوں ہوئیں گل سے بلبلیں بیزار	کہیں آ نکلے وہ گلستاں میں
وہ نگاہیں ہیں رخنہ گر اے شیخ	میرے سینہ میں تیرے ایماں میں
ہاں سبکدستئ جنوں ہشیار	تار باقی رہے نہ داماں میں
ہم نے دونوں کی سیر کی لیکن	دل لگا دشت میں نہ بستاں میں
ہیں فرشتے بھی بیخبر اُس سے	سر مخفی ہے جو کہ انساں میں
دلخراشی ہو یا جگر سوزی	کچھ تو ہو شغل روز ہجراں میں

طوق و زنجیر سے گیا نہ جنوں
وُہی جولانیاں ہیں زنداں میں

یہ تو اپنی سمجھ سے باہر ہے
توبہ اور مجھ سے روزِ باراں میں

سایہ افگن ہے یاں سیہ بختی
شمع کیونکر جلے شبستاں میں

اتنا ٹوٹا ہے دل کہ ملتا ہے
حال اس کا کسی کے پیماں میں

نارِ دوزخ سے کیا خطر اُس کو
جو کہ ڈوبا ہو بحرِ عصیاں میں

درد دل کی دوا نہیں مجروح
آپ ناحق ہیں فکرِ درماں میں

سدا عروج پہ مانندِ حسنِ یار ہوں میں
خزاں کو دخل نہیں جس میں وہ بہار ہوں میں

سفید ہونے میں گو پنبۂ پختہ کار ہوں میں
مگر مزاج میں عالم کے ناگوار ہوں میں

رکھے نہ مجھ سے کوئی میوہ و ثمر کی امید
اگرچہ نخل ہوں پر نخلِ شعلہ بار ہوں میں

شبِ فراق کی بیچینیاں معاذ اللہ
کہ ایک آن میں مرتا ہزار بار ہوں میں

یہ اور قہر ہے اُس کو گمان ہو اپنا
جو شکوہ سنجِ ستمہائے روزگار ہوں میں

کوئی منائے جو ہم کو تو کیا نہ من جائیں
سُنا کے اُنکو یہی کہتا بار بار ہوں میں

جو بھول کر بھی انہیں اے حبیب کہتا ہوں
تو کس دماغ سے کہتا ہے کس کا یار ہوں میں

کہیں غرور نہ یہ خارہائے خط سے مٹے
بہت وہ دلمیں خوشی ہیں کہ گلعذار ہوں میں

یہی ہیں قبر میں روزِ شمار تک مونس
کہ ساتھ لیکے چلا رنج بیشمار ہوں میں

خدا کرے کہ جلا دے حجاب کے پردے
قلق میں کھینچتا آہِ شرارہ بار ہوں میں

جلایا برقِ حوادث نے مزرعۂ دل کو
خزاں سے کام نہ کچھ طالبِ بہار ہوں میں

فروغ بخش نظر ہوں نہ زیب کاشانہ
فضائے دہر میں شمع سر مزار ہوں میں

وفور کاہش غم نے کیا ہے کام تمام
اب اپنے مرنے کا گویا کہ انتظار ہوں میں

نظر جو چھپ کے بھی ڈالی ہے چشم میگوں پر
نگاہ ناز یہ کہتی ہے ہوشیار ہوں میں

بڑھی کچھ اور بھی اُس کی کدورتِ خاطر
بنا جو اُس کی سر راہ کا غبار ہوں میں

لگا ہے زخم یہ کاری کہ اُٹھ نہیں سکتا
یہ کس کے تیر جگر دوز کا شکار ہوں میں

ہے اُس دیدۂ خونبار کا بھی ایما
کہ لالہ رو ہو اگر تم تو لالہ کار ہوں میں

میں اپنا آپ کو اتنا عزیز کیوں نہ رکھوں
کہ سر سے تا بقدم آرزوئے یار ہوں میں

مقابل اُس رُخِ تاباں کے کس طرح آئے
قمر کا عذر یہ سچ ہے کہ داغدار ہوں میں

اسی سے نخل تمنا کو ہے برومندی
جہاں میں مثل زمیں کیوں نہ خاکسار ہوں میں

عجیب عشق و محبت کے کارخانے ہیں
ملے وہ غیر سے اور وقفِ انتظار ہوں میں

جو درد دل میں ہے لذت وہ جی ہی جانے ہے
یہ دل لگی کی ہیں باتیں جو بیقرار ہوں میں

میں اور کعبہ کی تکلیف خیر ہے **مجروح**
رکھو معاف کہ اک رندِ ہرزہ کار ہوں میں

ہم تو جلتے ہیں خبر تک بھی ذرا واں تو نہیں
کچھ اثر خیز مرا نالۂ سوزاں تو نہیں

اتنے تر بھر جو ہوئے آپ مرے آنے سے
سچ کہو غیر کہیں گھر میں ہے مہماں تو نہیں

دیکھتا ہوں شبِ وصلت جو کوئی روزنِ در
ڈر سے کہتا ہوں کہ یہ چشم نگہباں تو نہیں

ہم نے مانا کہ ہیں زاہد میں صفات ملکی
خوبیاں سب یہ مسلم مگر انساں تو نہیں

سہل ہو گرچہ عدو کو مگر اس کا ملنا
اتنا میں خوب سمجھتا ہوں کہ آساں تو نہیں

بوسہ ملنے کا بھلا ہمکو یقیں ہو کیونکر
گو رضامند ہوں وہ لب پہ مگر ہاں تو نہیں

دل میں اک شے جو کھٹکتی ہی بہت مدت سے
وہ ترے تیر جگر دوز کا پیکاں تو نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ جلد آؤ تو کیا کہتے ہیں
یہ مرا گھر سے نکلنا ہی تری جاں تو نہیں

دے کے تم بوسۂ لب رکھتے ہو احساں کس پر
یہ تو ہے دل کا عوض مفت مری جاں تو نہیں

کھینچتا یوں اسے گستاخ ہی کیوں دستِ جنوں
دامنِ یار ہے یہ میرا گریباں تو نہیں

گر یہی ہجر کا غم ہے تو نکل جائے گا
دم ہمارا ہے ترے وصل کا ارماں تو نہیں

ہم ہنر لے کے کہاں جائیں کسے دکھلائیں
جنس اچھی ہے پر اسکا کوئی خواہاں تو نہیں

شب وصلت وہ مرے سینہ سے لگ کر مجروح
کہتے ہیں لے ترا باقی کوئی ارماں تو نہیں

جس سے دن عیش میں گذریں وہ سرانجام نہیں
مے نہیں جام نہیں ساقیٔ گلفام نہیں

چھوڑتی ایک کو یہ گردشِ ایام نہیں
رو دیئے جام کو کیا جم ہی کا اب نام نہیں

اگر آگاہ وہ ہوتا تو نہ دیتا مجھ کو
یار کو خود خبرِ لذتِ دشنام نہیں

محو ہو جائے جو ہو نقش نگیں نام مرا
صفحۂ دہر میں مجھ سا کوئی گمنام نہیں

محتسب کا نہ تو ڈر ہے نہ عسس کی پروا
دیکھ کے جام کو کچھ سوجھتا انجام نہیں

کیوں ہی مضطر یہ دلِ درد شناس اے صیاد
تو گرفتار تڑپتا جو تہِ دام نہیں

حصر ہے ظرف کی مقدار پہ بیشی و کمی
پر عنایاتِ مغاں سے کوئی ناکام نہیں

فکر غیروں کی تمہیں اور تمہاری مجھ کو
میں ہوں بےچین تو کچھ تم کو بھی آرام نہیں

اہلِ نظارہ نہ کیوں دل میں فسردہ ہوں کہ آج
وہ تبسم کی طرح زیبِ لبِ بام نہیں

مجھ کو آتے جو ہیں دیکھا تو بگڑ کر بولے
اپنی روز و شب ہجراں ہیں نرالی یا رب
طالب دوست الگ رہتے ہیں سب سے اُنکو
ننگ وہ جانتے ہیں مجھ سے مخاطب ہونا

ایسے ویسوں کا مری بزم میں کچھ کام نہیں
رات کی صبح نہیں دن کی کبھی شام نہیں
پاس اصنام نہیں خواہش اسلام نہیں
بوسہ کیسا کہ وہ دیتے کبھی دشنام نہیں

ایسے رندوں میں جو چپ چاپ ہوئی ہے شاید
آج میخانہ میں مجروح مے آشام نہیں

ہر رنگ میں بخشش ہی کی پاتا ہوں ادا میں
خجلت سے گناہوں کی یہ دنیا میں ہے عالم
خلاق کی صنعت کا نمونہ مجھے سمجھو
ہوش و خرد و تاب و تواں سب دیئے تو نے
گو غرقہ عصیاں ہوں شب و روز و لیکن
اک خاک کا پُتلا ہوا مسجود ملائک
یہ تیری عنایت ہے کہ مفتاح خرد سے
یہ اُس کی عنایات کا جلوہ ہے وگرنہ
بے زاد کے کیونکر یہ رہِ دُور کٹے گی
یہ روئے سیہ ہی نہیں دکھلانے کے قابل
ہے بارِ گنہ سر پہ قدم اُٹھ نہیں سکتا
تو راحم و غفار ہے تو مالک و مختار

اُس راحم و غفار کی رحمت پہ فدا میں
ایک دوزخ جاوید میں رہتا ہوں پھنسا میں
ہوں اصل میں اک ذرۂ خورشید نما میں
کس کس تری نعمت کا کروں شکر ادا میں
رحمت پہ بھروسا تری رکھتا ہوں سدا میں
اللہ تری بندہ نوازی پہ فدا میں
اسرار نہانی کا ہوں گنجینہ کشا میں
سچ یہ ہے کہ ہستی مری کیا اور ہوں کیا میں
افسوس تہیدست ہی دنیا سے چلا میں
ہاتھوں سے چھپا لیتا ہوں منہ وقت دعا میں
طے کیونکہ کروں عرصۂ روز جزا میں
کس در پہ بھلا جاؤنگا اس در کے سوا میں

کم مایہ کو ہے تیری ہی رحمت پہ بھروسہ
اک بندۂ ناچیز ہوں اے بار خدا میں

شرمندہ ہوں کس طرح سے آنکھوں کو اُٹھاؤں
سر نیچا اسی وجہ سے رکھتا ہوں سدا میں

مل جائے تو ہے شکر نہ ملجائے تو ہے صبر
ہوں راہ رو مسلک تسلیم و رضا میں

بویا ہی نہیں کچھ تو دِرو خاک کروں گا
مجروح اسی سوچ میں رہتا ہوں سدا میں

خانماں سوزِ ماسوا ہوں میں
اپنے سایہ سے بھی جدا ہوں میں

غور ہر چند کر رہا ہوں میں
پر یہ کھلتا نہیں کہ کیا ہوں میں

نہیں اس رہ میں دوسرے کی کھپت
آپ ہی اپنا رہنما ہوں میں

وہ اگر آملیں تو کیا ہے عجب
غم سے کچھ اور ہو گیا ہوں میں

دل ہے شوقِ گناہ سے لبریز
دیکھنے ہی کا پارسا ہوں میں

کیوں نہ ہو دار کا وہ مستوجب
جو کہ بندہ کہے خدا ہوں میں

سوزِ دل کر چکا ہے جسم کو خاک
اب ترا منتظر صبا ہوں میں

ہر لبِ زخم تن سے ہیں دمِ قتل
کہتا قاتل کو مرحبا ہوں میں

آن سا مغرور اور پرسشِ حال
خواب ہے یہ جو دیکھتا ہوں میں

مجھ سا ہوگا نہ سخت جاں کوئی
کہ شبِ ہجر میں جیا ہوں میں

میری پرسش جو کی کسی نے تو وہ
بولے ہاں صورت آشنا ہوں میں

شارح حال دل سمجھ مجھ کو
درد ہی درد ہو گیا ہوں میں

آنکھ تک ڈالتا نہیں گاہک
کچھ عجب جنس ناروا ہوں میں

قطعہ

روز و شب ہے خیال کاکل و زلف
کن بلاؤں میں پھنس رہا ہوں میں

مثل نشتر ہیں خار صحرائی
اور وحشت برہنہ پا ہوں میں

کل جو میں نے کہا کہ او بے مہر
دردِ فرقت سے مر رہا ہوں میں

ہنس کے بولے یہ سب بناوٹ ہے
آپ کو خوب جانتا ہوں میں

دُکھنے کیا زخم دل سے لگے مجروح
ہائے ہائے جو کر رہا ہوں میں

جوشِ وحشت میں مزا کچھ سر و ساماں میں نہیں
اُس گریباں کی کیا قدر جو داماں میں نہیں

چرخ اس واسطے لایا ہے کنوئیں سے باہر
کہ پھنسے حضرتِ یوسف ابھی زنداں میں نہیں

بحرِ مواج میں قطرہ کا سنبھلنا معلوم
کچھ ہمیں اپنی خبر جلوۂ جاناں میں نہیں

نہ تو صیاد کا کھٹکا نہ خزاں کا دھڑکا
ہم کو وہ چین قفس میں ہے کہ بُستاں میں نہیں

شعلہ زن آتشِ ہجراں ہے بہت ڈرتا ہوں
آئے اُس گل کا تصور دلِ سوزاں میں نہیں

کیا چمن میں ہے گئی بوئے گریباں اُس کی
آج غنچہ کوئی کھلتا جو گلستاں میں نہیں

غرض اُس شوخ سے فتنہ نہیں باہر کوئی
قد موزوں میں جو ہے نرگس فتاں میں نہیں

یہ بھی نسبت ہے کہ آثار درستی کا ہے
میری توبہ میں نہیں آپ کے پیماں میں نہیں

دل کو شاید ترے مژگاں کا تصور نہ رہا
اب وہ پہلی سی کھٹک کاوشِ پنہاں میں نہیں

ہے کہیں میں کشش شوق زلیخا بے ڈھب
یہ تو یوسف کو کبھی چھوڑتی کنعاں میں نہیں

رہروِ راہِ فنا ہوں مجھے کیا دیکھتے ہو
قطرۂ اشک ہوں اک جنبشِ مژگاں میں نہیں

دیکھ تو تیر ہیں ٹکڑے ہیں گیتھواں کس کے
پھر نہ کہنا کہ ترا دل مرے پیکاں میں نہیں

جتنے وہ خوب ہیں اُتنی ہے ہماری حسرت
ملنا مقصود مرا حیزِ امکاں میں نہیں

ہیں سدا مصحفِ رخسار پہ آثارِ غضب
کیا کوئی آیۂ رحمت ترے قرآں میں نہیں

چاہتا ہوں کوئی معشوقۂ عشاق نواز
اُس کا طالب ہوں کہ جو عالمِ امکاں میں نہیں

در و دیوار کو توڑا ہے ترے وحشی نے
اب تو گھر میں وہ مزا ہے جو بیاباں میں نہیں

کسی عاشق کا بندھا ہے دلِ مضطر شاید
آج کچھ بل جو ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

اُسکی ہیں آنکھ میں رہتا ہوں کھٹکتا ہر دم
کیا عجب خواب اگر چشمِ نگہباں میں نہیں

پاس آنیکا مرے کیوں نہ وہ کرتا وعدہ
جانتا ہے کہ یہ بچتا شبِ ہجراں میں نہیں

میں ہوں اُس صانعِ ایجاد کا گنجینۂ راز
یونہی بیکار میں اس منزلِ ویراں میں نہیں

ہاتھ جاتا ہے گریباں کی طرف کیوں مجروح
غیر کا ہاتھ اگر یار کے داماں میں نہیں

گریباں چاک ہے گل بوستاں میں
اثر کتنا ہے بلبل کی فغاں میں

قفس صیاد کا خالی پڑا ہے
نہ ہوں بیچین کیونکر آشیاں میں

زلیخا کی بچھی جاتی ہیں آنکھیں
کہیں یوسف نہ ہو اس کارواں میں

دعائے وصل جا اب تو اثر تک
گئے نالوں نے روزنِ آسماں میں

کبھی آسودہ دل ہم تو نہ بیٹھے
کوئی ایسا بھی ہو شاید جہاں میں

سُنے گر طالعِ خفتہ کا قصہ
تو نیند آجائے چشمِ پاسباں میں

بہت غیروں کی ہولی آزمائش
کوئی پورا بھی اترا امتحاں میں

تمام اسبابِ دنیاوی کے بدلے
ہے اک بیرونقی اپنی دکاں میں

جبیں عشاق کی اُٹھتی نہیں ہے — غضب ہے جذب اُسکے آستاں میں
جہاں میں چیز کیا ہو اُس سے بہتر — جو بھیجی جائے اُسکو ارمغاں میں
کیا تھا روئے آتشناک کا وصف — پھپھولے پڑ گئے اپنی زباں میں
یہ کس قیدی سے ہو آشفتہ خاطر — جو بلبل ہے کاکُلِ عنبر فشاں میں

سُنا حالِ دلِ مجروح شب کو
کوئی حسرت سی حسرت تھی بیاں میں

میری بدخوئی کے بہانے ہیں — رنگ کچھ اور اُن کو لانے ہیں
رحم اے اضطراب رحم کہ آج — اُن کو زخمِ جگر دکھانے ہیں
کیسی نیند اور پاسباں کس کا — یاں نہ آنے کے سب بہانے ہیں
کرکے ایفائے عہد کا مذکور — اپنے احساں اُنہیں جتانے ہیں
اُس کی شوخی کی ہو کوئی حد بھی — اک نہ آنے کے سَو بہانے ہیں
سر اُٹھانا وبال ہے اور یاں — ناز اُن کے ابھی اُٹھانے ہیں
ظلم سے اُن کا پیٹ بھرنے تک — ہم کو تیغ و تبر ہی کھانے ہیں
ان بتوں ہی کو حسن دینا تھا — کیا خدائی کے کارخانے ہیں
الم و درد و رنج و بیتابی — یار اپنے یہی پُرانے ہیں
کیا ہماری نماز کیا روزہ — بخش دینے کے سو بہانے ہیں
میں کروں جستجو کہاں جا کر — اُن کے تو سو جگہ ٹھکانے ہیں
قافیے کو بدل کے اے مجروح — اور اشعار کچھ سُنانے ہیں

کب وہ شوخی سے باز آتے ہیں
بات کی جا مجھے بناتے ہیں

ہاتھ دامن کو جب لگاتے ہیں
وہ مری دھجیاں اُڑاتے ہیں

وہ ان اٹھکیلیوں سے آتے ہیں
فتنۂ خفتہ جاگ جاتے ہیں

میرے مرنے کی سُن کے وہ بولے
کب ہم ایسے دموں میں آتے ہیں

ہاتھ دھو بیٹھے ہر غذا سے ہم
ہاں غمِ تازہ ہو تو کھاتے ہیں

وہ تو اک بار ہو گیا اے زلف
اب ترے پیچ میں کب آتے ہیں

دل چُرایا نہیں تو کیوں ہر دم
چُپکے چُپکے وہ مُسکراتے ہیں

نکلے مر کے تو حسرتِ پرواز
وہ مرے بال و پر اُڑاتے ہیں

بے محل ذکرِ غیر کا کیا تھا
وہ مجھے جان کر جلاتے ہیں

میر الاشہ اُٹھا چکے وہ تو
پاؤں سو ناز سے اُٹھاتے ہیں

گردِ عصیاں سے ہیں غبار آلود
آبِ خجلت سے ہم نہاتے ہیں

وہ کنکھیوں سے دیکھ کر اپنا
التفاتِ نہاں جتاتے ہیں

جب سے سید سنا ہے اے مجروح
مجکو صلوٰۃ وہ سناتے ہیں

بسکہ اک جنسِ رائگاں ہوں میں
جتنا ارزاں بکوں گراں ہوں میں

نہ یہاں اور نہ اب وہاں ہوں میں
کیا بتاؤں تمہیں جہاں ہوں میں

یاد میں ہے کسی کے استغراق
کون پہنچے وہاں جہاں ہوں میں

مدد اے نغمہ سنجِ بلبل
کب سے گم کردہ آشیاں ہوں میں

ڈھب ہے یہ یار تک پہنچنے کا / کاش قاصد ہی کا بیاں ہوں میں
نے کی مانند خشک ہیں اعضا / کیوں نہ سر تا بپا فغاں ہوں میں
لطف پایا ہے خاکساری میں / ہوں زمیں گو کہ آسماں ہوں میں
کس نے جلوہ دکھا دیا ہے آج / زمزمہ سنج الاماں ہوں میں
تا کجا تیز گامیاں بس کر / توسنِ شوق ہمعناں ہوں میں
گرد دیتی ہے کارواں کا پتا / یادگارِ گذشتگاں ہوں میں
جان کیونکر نثارِ مقدم ہو / اب وہ آئے کہ نیمجاں ہوں میں
کیا نہیں یاد برق کا گرنا / پھر بناتا جو آشیاں ہوں میں
یہ سفر دیکھئے کہاں ہو تمام / مثل ریگِ رواں رواں ہوں میں
کوئی اس عہد میں نہیں ہو شفیق / آپ اپنے پہ مہرباں ہوں میں
دیکھ پچھتائیگا نہ لے کے مجھے / مایۂ نازشِ دوکاں ہوں میں
عشق میں سو بلائیں لیں سر پر / اپنے حق میں خود آسماں ہوں میں
قدر کیوں خوانِ دہر پر ہو مری / سچ ہے ناخواندہ مہماں ہوں میں
اوّل شب ہی ہجر میں اُن کے / ڈھونڈھتا خنجر و سناں ہوں میں

نہ ٹلا اُس کے در سے اے مجروح
دوسرا سنگِ آستاں ہوں میں

میں آہ ہوں تو خونِ جگر میں طپیدہ ہوں / میں زخم ہوں تو سودۂ الماس دیدہ ہوں
کیونکر رہوں میں چین سے کیا آرمیدہ ہوں / میں بحرِ غم میں کشتئ طوفاں رسیدہ ہوں

طوفان جہل نے مرا جوہر مٹا دیا
میں اک کتاب خوب ہوں پر آبدیدہ ہوں

میرا کسی کے دام میں آنا محال ہے
وہ صید ہوں کہ سایۂ سے اپنے رمیدہ ہوں

کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائشیں ملیں
میں قبر میں مسافرِ منزل رسیدہ ہوں

ایذا کبھی کسی کی گوارا نہیں مجھے
ہوں خار رہ تو پاؤں میں اپنے خلیدہ ہوں

دیکھ اے رقیب سامنے آنا نہ تو مرے
میں دستِ روزگار میں تیغِ کشیدہ ہوں

پورا ہوا نہ کوئی زمانہ سے اپنا کام
نالہ ہوں میں اگر تو بلب نارسیدہ ہوں

ہو طالبِ وصال نہ کیوں محو روئے یار
میں اُس کے آگے شبنم خورشید دیدہ ہوں

کچھ دل کو اضطراب سے نسبت ہے اسقدر
آرام بھی نہوں تو نہ میں آرمیدہ ہوں

صحرا و شہر میں مرا مسکن کہیں نہیں
اس دام گہہ میں طائرِ رنگ پریدہ ہوں

اس خاکداں سے طبع کو ہوتا نہیں لگاؤ
کس جوہرِ لطیف سے میں آفریدہ ہوں

یکساں ہے اس جہاں میں وجود و عدم مرا
خوابِ ندیدہ و سخنِ ناشنیدہ ہوں

مجروح میرے حال کو کیا پوچھتے ہو تم
میں کیا ہوں اِک شکش آفت رسیدہ ہوں

دل کی بیچینیاں گئیں نہ کہیں
ایک کھٹک سی رہی کہیں نہ کہیں

مہر کیا چیز ہے وفا کیسی
یہ تو باتیں ہی اب رہیں نہ کہیں

دل کو آرام اُس کے تیر سے ہے
جائے یہ یار دل نشیں نہ کہیں

اتنا مردود ہوں کہ ڈر ہے مجھے
قبر سے پھینکدے زمیں نہ کہیں

لبِ شیریں ہے خوگرِ دشنام
تلخ دیکھا تھا انگبیں نہ کہیں

پا نہ سر کا و سنگ در ہے یہ — تم سمجھتا مری جبیں نہ کہیں

بوسہ مانگا تو ہے۔ پہ ڈرتا ہوں — حسب عادت کہے نہیں نہ کہیں

میں تو سمجھا ہوں عشق غیر غلط — اُن کو ہو جائے پر یقیں نہ کہیں

مجکو ڈر ہے کہ ہنستے ہی ہنستے — دل اُڑا لیویں یہ حسیں نہ کہیں

قہر ہوگا جدہر نظر ہوگی — اُٹھے وہ چشم سرمگیں نہ کہیں

خالی جائے یہ وہ بناؤ نہیں — آج جائیں گے وہ کہیں نہ کہیں

آسماں سا نہ ہو جہاں دشمن — ہم کو ایسی زمیں ملے نہ کہیں

اُس کا ملنا تو ہے بہت دشوار — گم ہوں اس راہ میں ہمیں نہ کہیں

ہو نہ مایوس ہے تجسس شرط — وہ بھی مل جائیں گے کہیں نہ کہیں

بزم سے کب ہیں چھوڑنے والے
ہونگے مجروح یہاں کہیں نہ کہیں

آج نکلا جو آفتاب نہیں — اُس کے چہرہ پہ کیا نقاب نہیں

اس کے پینے میں اضطراب نہیں — آب حیواں ہے یہ شراب نہیں

بوسہ غیروں کو کیوں نہ دیجے گا — یہ مری بات کا جواب نہیں

اُس کی زلفیں بنا رہے ہیں غیر — دل کو بیوجہ پیچ و تاب نہیں

ڈوبی اُس بحر میں مری کشتی — موج کو جس میں اضطراب نہیں

دل کی گھبراہٹیں معاذ اللہ — وہ بھی آئے تو اُسکو تاب نہیں

کس سے سرگرمیاں رہیں صاحب — آج کیوں منہ پہ آب و تاب نہیں

شوخی آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہے — گو وہ ظاہر میں بے حجاب نہیں
کیا ترے لطف سے تلافی ہو — میری حسرت کا کچھ حساب نہیں
ہنسکے بولے سوال بوسے پر — ایسی باتوں کا یاں جواب نہیں
کس کو کہتے ہیں نیند بھر سونا — خواب میں بھی یہاں تو خواب نہیں
کیا ہے ایسا جو چپکے بیٹھے ہو — آج مجھ پر بھی کچھ عتاب نہیں
پوچھئے مت مرا فسانۂ غم — اس کے سننے کی تم کو تاب نہیں
بخت اغیار بن گئی ہے چشم — دیکھنے کو بھی جس میں خواب نہیں
اپنی ہی بے محل شکایت ہے — میرے شکووں کا کچھ جواب نہیں
وہ نگاہیں پھریں تو آفت ہے — یہ زمانے کا انقلاب نہیں
اپنے دل ہی میں دیکھ جو کچھ دیکھ — اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں
لاکھ شرم و حیا کے پردے ہیں — کیا ہوا منہ پہ گر نقاب نہیں

کیونکہ مجروح چین آئے گا
اب تو بے تابیوں کی تاب نہیں

وہ گالیوں کی چھیڑ وہ طرار پن کہاں — تمکیں اگر یہی ہے تو لطفِ سخن کہاں
اب ہم ہیں اور کنج قفس کی صعوبتیں — وہ نغمہ سنجیاں وہ نشاطِ چمن کہاں
لٹنے میں یہ اٹھاتی ہے لذت کہ راہ میں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ ہو راہزن کہاں
تشبیہ قد یار سے دوں میں تو کیونکہ دوں — ہے سرو گو سڈول پہ وہ بانکپن کہاں
بیمار غم کا آتا ہے ہونٹوں پہ دم تو آئے — پرسش کرے ہو وہ لب اعجاز فن کہاں

خسرو کے سامنے کوئی اسکی تنے ہے کب
سر پھوڑے اپنا جا کے بھلا کوہکن کہاں

زاہد بہشت میں مے و شاہد تو ہیں پہ ہائے
ساقی کی طرح حوریں مستانہ پن کہاں

آتا ہی سے اُس کو تغیر ہوا ابھی
آیا خیال میں ہے وہ نازک بدن کہاں

فردوس میں بلائے کوئی یا کہ خلد میں
جاتا ہے تیرے کوچہ سے یہ خستہ تن کہاں

پہلے ہی جان نذر ہے منصور کی طرح
یہاں دل کو تاب صدمۂ دار و رسن کہاں

دل اُس کو دے تو دوں پہ یہی فکر ہے مجھے
ٹھہریگا اک جہان کا رنج و محن کہاں

مجروح اُس کو دیکھ کے معقول ہو گئے
حضرت گیا وہ آپ کا دیوانہ پن کہاں

شغلِ اُلفت کو جو احباب بُرا کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں

اصل میں گرچہ تو حد ہے یہ فرق اتنا ہے
ہم قضا کہتے ہیں وہ جس کو ادا کہتے ہیں

قہر ہے اُن کا وہ ہنگامِ غضب ہنس دینا
ایسے ہنسنے کو تو ہم ہوش رُبا کہتے ہیں

کیا ہے آب دمِ خنجر سے وہ تیرے افزوں
جسکو تعریف سے سب آبِ بقا کہتے ہیں

حال عشاق ہر اک دم ہے دگرگوں کرتا
سچ ترے جلوے کو نیرنگ نما کہتے ہیں

جان دینے کے سوا اور بھی تدبیر کریں
ورنہ یہ بات تو ہم اُس سے سدا کہتے ہیں

طالبِ خلد ہیں اور آپکو اس پر زاہد
سالکِ مسلکِ تسلیم رضا کہتے ہیں

دیدیا دل ہی تو بدگوئی کا شکوہ کیا ہے
آپ جو کچھ مجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

جان لینے میں نہیں ہیں ملک الموت سے کم
ہاں وہی لب کہ جنہیں روحِ فزا کہتے ہیں

غیر اور یار سے سرگوشیاں ہوتی ہیں بہم
سچ ہو دنیا میں اسے بخت رسا کہتے ہیں

سیمتن اُسکو کوئی کہنے لگا کوئی پری
بولا مجروح سے پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں

ہم جو برسوں میں کبھی آتے ہیں
آپ آپ سے نکل جاتے ہیں

چارہ گر کیوں یہ دوا لاتے ہیں
ہم کو کوئی دن کی ہوا کھلاتے ہیں

بحرِ اُلفت میں نہیں کچھ معلوم
موج کی طرح کہاں جاتے ہیں

وعدہ کیا چیز ہے آنا کیسا
وہ یونہیں باتوں میں بہلاتے ہیں

خواب و آرام شبِ فرقت میں
ہوش کیطرح سے اُڑ جاتے ہیں

سب ہیں عشق میں کہتے ہیں بُرا
آپ کیا دیکھئے فرماتے ہیں

ہے گذہب راہ محبت پر ہم
ٹھوکریں کھا کے سنبھل جاتے ہیں

کس کی سُنتا ہو دلِ دوست پرست
آپ ناصح کیسے سمجھاتے ہیں

سخنِ تلخ ہے تیرا شمشیر
ہم تو اک بات میں مر جاتے ہیں

شوق سے شوق ہے کچھ منزل کا
راہبر سے بھی بڑھ جاتے ہیں

وہ سُنیں یا نہ سُنیں مالک ہیں
ہم تو اپنی سی کہے جاتے ہیں

دور ہے منزلِ مقصد اے خضر
آپ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں

جرأت شوق سے کیا بن آئے
وہ تو پہلے ہی سنبھل جاتے ہیں

کیونکہ کاٹوگے شبِ غم مجروح
آپ تو شام سے گھبراتے ہیں

نہیں غیر کو ہیں سنانے کی باتیں
فقط ہیں یہ میرے جلانے کی باتیں

وہ اعدا کو چھوڑیں غلط ہے غلط — یہ ساری ہیں اُن کے دکھانے کی باتیں
رموزِ محبت سمجھتے ہیں عاشق — نہیں یہ ہر اک کے جتانے کی باتیں
طلب بوسۂ زلف کرتے ہی بولے — نہ کیجے بہت مار کھانے کی باتیں
فقط ذکر مہر و وفا واں نہ کیجے — کرو اور ورنہ زمانے کی باتیں
مرے عرضِ مطلب کو سنکر وہ بولے — کہ پھر تو نے چھیڑیں ستانے کی باتیں
وہ گو تم نہ مانو پہ بہتر نہیں ہیں — ہر اک لحظہ یہ روٹھ جانے کی باتیں

نہ سہل اس کو سمجھو پشیمان ہو گے
یہ مجروح کی ہیں سنانے کی باتیں

کیا غصہ میں آتا ہے جو کرتا ہوں گلا میں — خود آپ انہیں چھیڑ کے لیتا ہوں مزا میں
فتنہ نے کہا دور ہی سے دیکھ کے انکو — یہ آکے اگر ناز سے بیٹھا تو اُٹھا میں
کیا پھول کے غنچہ ہے سر شاخچہ خنداں — سمجھا ہے اسیطرح گذاروں گا سدا میں
کیا تم کو بھی الفت ہی یہ کہہ دیجئے سچ سچ — اسوقت نہیں دوسرا بس آپ ہیں یا میں
پاس اُن کے یہ بالیدہ ہی ہوتا ہوں خوشی سے — آ بیٹھنے کی اور کے رکھتا نہیں جا میں
ہم نے تو کسی رنگ میں نسبت کو نہ چھوڑا — وہ مجھ سے خفا رہتے ہیں جینے سے خفا میں
کیا قہر ہے اُس چشم فسوں ساز کا انداز — اس رنگ سے دیکھا کہ نہ آپے میں رہا میں
خود رفتہ ہوا آتے ہوئے دیکھ کے اُن کو — وہ آن کے ٹکنے بھی نہ پائے کہ چلا میں
کیا ضد ہے مرے ساتھ کہ غنچہ ہی گرایا — کھلنے بھی نہ پایا تھا ابھی بادِ صبا میں
ملتا ہے بھلا طائرِ خوش زمزمہ ہم سا — صیاد کی قسمت تھی بھلی آن پھنسا میں

یہ دیکھئے شوخی جو کروں عرض تمنا
کس ناز سے کہتے ہیں کہ ہوں تمسے خفا میں

تو اُس سے ڈراتا ہے کہ جو خیر محض ہے
واعظ اُنکے فقروں میں کب آتا ہوں بھلا میں

کیا خاک ہو تمیز اُنہیں مہر و ستم میں
اُن کی تو ہر اک بات پہ کہتا ہوں بجا میں

ہوں شمعِ سرِ راہ نہیں میرا بھروسا
جھونکا بھی ہوا کا اگر آیا تو بجھا میں

محفل میں بنا ہوں ہیں ترے عہد کی بنیاد
تو نے بھی مجھے گو کہ اُٹھایا نہ اُٹھا میں

کچھ وعدۂ وصل اُس کا لگاتا تھا سہارا
گو وصل میں تھا جھوٹ پہ جیتا تو رہا میں

اب جسم ہے سب راکھ دھرا اسمیں ہے کیا خاک
اخگر کی طرح اپنی ہی سوزش میں جلا میں

جب دیکھو گلے میں ہیں عدو کے تری باہیں
رنجیدہ ترے ہاتھ سے رہتا ہوں سدا میں

کچھ پڑ تو گئی غیر کے گھر جانے میں کمند ٹٹ
گھر سے وہ نکلتے ہی تھے باہر کہ ملا میں

مجروح مرے مصرعۂ سودا سے گئے ہوش
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ہے ازبسکہ بیگانگی یار میں
ہم اقرار سمجھے ہیں انکار میں

نہ لیں کھوج اغیار اس واسطے
چلیں سر کے بل ہم رہِ یار میں

ادھر سے گذرتا ہے تیرِ نگاہ
عجب کیا جو روزن ہوں دیوار میں

اُسے جامِ جم کی نہیں احتیاج
صراحی ہو دستِ قدح خوار میں

ٹھہر کر نشانِ قدم دیکھنا
تحمل ہے یہ سعی طلبگار میں

مرے دیکھنے کو اُٹھائے نگاہ
یہ طاقت کہاں چشمِ بیمار میں

نہیں ہوتے معلوم نقشِ قدم
یہ ہیں شوخیاں اُسکی رفتار میں

سدا گھل کے مرتے ہیں بیمارِ عشق
اُسے کھینچ لاتا ہے ہر دم یہاں
یہ اُلفت بھی یارو عجب چیز ہے
شبِ ہجر میں آنکھ لگنے نہ دی
وہیں سب پہ ظاہر کرے نور حسن
جھگڑتا ہوں ہر بات میں اسلئے

نپٹتے نہیں ہیں اس آزار میں
غضب زور ہے نالۂ زار میں
کہ یوسف کو لائی ہے بازار میں
وہ پھرتے رہے چشمِ بیدار میں
وہ گر چھپکے آئیں شبِ تار میں
وہ ٹھیرے رہیں تا کہ تکرار میں

عیادت کی تکلیف اب کیا ضرور
رہا کیا ہے مجروح بیمار میں

کب شعلہ خیز نالۂ آتش فشاں نہیں
کب دجلہ ریز دیدۂ دریا نشاں نہیں
کس کی سمجھ میں آئیں یہ نیرنگ سازیاں
تم تو کہیں نہیں ہو مگر پھر کہاں نہیں
ہٹ اسکا نام ہے کہ کوئی مر ہی کیوں نہ جائے
پر ہاں نہیں زبان سے نکلے جہاں نہیں
میں اور دیر و کعبہ کو جاؤں خدا کی شان
کیا میرے بیٹھ رہنے کو وہ آستاں نہیں
ہے بدمزاجیوں پہ تو اپنی نثار جان
ہے یہ بھی جائے شکر کہ وہ مہرباں نہیں
زاری و بیقراری و خواری و بیکسی
قسمت اگر یہی ہے تو کیا کیا گماں نہیں
گھڑتے ہیں یوں تو سینکڑوں باتیں مگر وہاں
چپ ایسے بیٹھتے ہیں کہ گویا زباں نہیں
اپنے غرورِ حسن سے دلدار ہے جہاں
اپنے تو وہم کا بھی گذارا جہاں نہیں
گھر میں بناؤ کرکے جو بیٹھے تو خود بخود
بولے کہ ایسے وقت میں وہ بدگماں نہیں
اخفائے راز مانعِ ساقی و مے ہوا
کچھ آج بزمِ وصل میں رنگینیاں نہیں

پایا جو شکوہ سنج مجھے درد داغ کا
بولے کہ جسم پر تو ترے کچھ نشاں نہیں

بے بادہ مستیاں ہیں تو بے ساز وجد ہیں
طالب سبب کا یہ دلِ وحشت نہاں نہیں

کیوں برق اس طرح سے تڑپتی ہو دمبدم
شاید نظر میں اُس کے مرا آشیاں نہیں

دل لے لیا طلبِ جان ہے تو خیر
کچھ اتنی باتوں کی پروا یہاں نہیں

اک جامِ مے میں اور ہی عالم دکھا دیا
کیونکر کہوں عنایتِ پیرِ مغاں نہیں

اُترا ہے چہرہ اور ہیں آنکھیں جھکی جھکی
کیا صحبتِ شبینہ کے ظاہر نشاں نہیں

اُس کے دہانِ تنگ کی تعریف کیا کرے
مجروح خوش زباں نہیں نکتہ داں نہیں

نقص نکلیں گے ماہِ کامل میں
وہ اگر آ گئے مقابل میں

فرطِ شوخی سے وہ نظر نہ پڑے
آئے بھی اور نہ آئے محفل میں

ہو جو ہمت تو سب کچھ آساں ہو
دقتیں ہیں جو کارِ مشکل میں

دیکھ کیفیت گدائے مغاں
کشتیٔ مے ہے دستِ سائل میں

وہ اور آئیں مری عیادت کو
یوں کہو یہ بھی آ گئی دل میں

دام کاکل میں خاک ہو آرام
ہوں میں جکڑا ہوا سلاسل میں

وہ کریں میری یاد کیسی یاد
نام میرا ہے فردِ باطل میں

وہ تو منڈی ہے سرفروشوں کی
کیوں نہ جمگھٹ ہو کوئے قاتل میں

نہ رہے دوستانِ عشرت کوش
کون دھومیں مچائے محفل میں

وہ تو رہتے نہیں ہیں پھر ہر دم
درد رہتا ہے اُنکا اس دل میں

روئے تاباں کے رشک سے تا صبح — جلتی رہتی ہے شمع محفل میں

اُس کے حال مصائب پہ مجروح
اپنے تو چوٹ لگتی ہے دل میں

لیکے دل اور تم کو کام نہیں — یہ تو سچ ہے کچھ اتہام نہیں
میں تو بدنام ہوں ولے صاحب — تم بھی کچھ ایسے نیک نام نہیں
گر نہ ہو شورِ حشر پا انداز — پاؤں رکھتا وہ خوشخرام نہیں
کیوں نہ الفت کو اب سلام کروں — وہ تو لیتے مرا سلام نہیں
دل ناحق شنو کے شکوے ہیں — آپ سے تو مرا کلام نہیں
حال ابتر مریض غم کا ہے — صُبح گر بچ گیا تو شام نہیں
نگہ نیم رس رہی ہم پر — ایک ہی لطف واں تمام نہیں
کیوں نہ قاتل ہو جنبش ابرو — تیغ عُریاں ہے اور نیام نہیں
جان کر دی نثار پہلے ہی — ناشنو آپ کا غلام نہیں
سچ ہے یہ بات ہیچ ہے وہ دہن — ہم کو بھی اُس میں کچھ کلام نہیں
سر و ساماں بہم نہیں ہوتے — اب اگر بادہ ہے تو جام نہیں
اپنی ہٹ کا وہ ہے بہت پورا — ہم پہ اک جور ناتمام نہیں

بادہ خواری کا شغل اے مجروح
گاہے ماہے ہے اب مدام نہیں

غضب میں قہر میں جور و جفا میں — مزا ملتا ہے اُن کی ہر ادا میں

شب وصلت بھی بے کاہش نہیں ہے
گذرجاتی ہے پہروں التجا میں

وہ خود اچھے نہیں غیروں کا کیا ذکر
ہمیں ہے بحث اصلِ مدعا میں

سُنا کیا نالۂ مرغِ گرفتار
کھٹک سی ہو دلِ درد آشنا میں

ہمیں غش آگیا آتے ہی جھوکا
یہ کس کی بوئے دلکش تھی صبا میں

دمِ شمشیر پر اُس کا گذر ہے
چلو گر چل سکو راہِ وفا میں

جفا و جور کیجے فکر کیا ہے
ابھی تو ڈھیل ہے روزِ جزا میں

وہ رہتے ہیں انہیں فکروں میں دن رات
کہ نو ایجاد ہوں طرزِ وفا میں

نہیں تنہا عدو شاید ہیں ہمراہ
وہ لذت ہی نہیں آواز پا میں

ذرا دیکھو کہ وہ ترچھی نگاہیں
چلیں ڈوبی ہوئی شرم و حیا میں

نہایت عشق کی بھی دیکھ لیں گے
اگر بچ جائیگی جاں ابتدا میں

اب اُن کے جلوہ پیہم نہیں ہیں
ہوئے ترمیم کچھ ناز و ادا میں

او چٹ کر آپڑی غیروں سے ہم پر
یہی جوہر تو ہے تیغِ جفا میں

کیا پابند زلفِ یار مجروح
پھنسایا تم نے دل کو کس بلا میں

دلِ سوزاں میں کیا آئے ہوئے ہیں
کہ گل کی طرح مرجھائے ہوئے ہیں

ٹپکتی ہے شرارت چتونوں سے
وہ گو ظاہر میں شرمائے ہوئے ہیں

کھلے بالوں سے کب بچتا ہے کوئی
غضب کا جال پھیلائے ہوئے ہیں

وہ دیوانے کوئی ٹکتے ہیں گھر میں
مزے صحرا کے جو پائے ہوئے ہیں

عدو کے گھر سے یہاں آنے میں ہر چند
سنبھلتے ہیں پہ گھبرائے ہوئے ہیں

نگاہیں سینہ سے دل لے اُڑیں گی
یہ عیار اُن کے بھجوائے ہوئے ہیں

ستم ہے اس میں ساقی کا نہ ہونا
غضب کے ابر کچھ چھائے ہوئے ہیں

نہیں پروانے گردِ شمع پھرتے
مگر محفل میں وہ آئے ہوئے ہیں

نہ ہو کیوں تیز مجھ پر آتشِ قہر
رقیبوں کے وہ بھڑکائے ہوئے ہیں

مزاج گیسوئے پُرخم سے ہے برہم
جو آپ ہی آپ بل کھائے ہوئے ہیں

تعجب ز آشنا یہ حال مجروح
کہ وہ آج آپ میں آئے ہوئے ہیں

دل میں قوت جگر میں تاب کہاں
اب وہ پہلا سا اضطراب کہاں

وہ سمائے ہوئے ہیں نظروں میں
اپنی آنکھوں میں جائے خواب کہاں

آنکھ نرگس کی خوب ہے لیکن
ہائے وہ چشمِ نیم خواب کہاں

دل ہی سمجھے ہے کچھ تڑپ کو مری
برق کو لطفِ اضطراب کہاں

اُس تغافل شعار کو ہمدم
خط تو لکھوں مگر جواب کہاں

وہ نگاہیں بھری ہیں شوخی سے
اُس میں گنجایش حجاب کہاں

تم ہو بے مثل سچ تو ہے صاحب
ظلم میں آپ کا جواب کہاں

یہ ہجوم نگہ کا پردہ ہے
سا
رُخِ روشن پہ ہے نقاب کہاں

اُن کو ہے ربط غیر سے یکساں
وہ بگڑنا کہاں عتاب کہاں

کج ادائی یہ سب ہمیں تک تھی
اب زمانہ کو انقلاب کہاں

ربط غیروں سے کس طرح توڑیں
یہ نزاکت سے اُن کو تاب کہاں

درِ مے خانہ پہ رہا مجروح
آپ جاتے ہیں اے جناب کہاں

جانا زبس ضرور تھا اُس جلوہ گاہ میں
ہم دیر و کعبہ چھوڑ گئے دونوں راہ میں

اُس نے ملائی آنکھ نہ گھر میں نہ راہ میں
کیا کیا سبک ہوا ہوں عدو کی نگاہ میں

تنہا ہی ہم کو چھوڑ کے حضرت کھسک گئے
ایذا یہ پائی خضر نے الفت کی راہ میں

جب بوسہ لے لیا تو نہیں گالیونکا رنج
تعزیر محو ہو گئی ذوقِ گناہ میں

بکھرے ہیں پھول اِدھر تو دھرے ہیں اُدھر کو جام
ہے بوئے عطرِ فتنہ تری خوابگاہ میں

انساں تو کیا ہے چاہ کو دیکھو کہ آج تک
اِک دیدۂ پُر آب ہے یوسف کی چاہ میں

بے تیغ اک جہان کا ستھراؤ کر دیا
کس بانکپن سے آئے ہیں وہ قتل گاہ میں

ٹھکرا بس اب نہ فتنۂ محشر کو ہر گھڑی
بیٹھا ہے آکے وہ ترے قد کی پناہ میں

صوفی نہ خانقاہ میں نہ رند دیر میں
مجمع ہے اک جہاں کا تری جلوہ گاہ میں

ہیں چشمکیں عدو سے اشارتک اُسے نہیں
کیونکر کہوں کہ سحر ہے اُن کی نگاہ میں

نازاں ہے کسقدر وہ جفائے مدام پر
نزدیک اُس کے یہ بھی ہو داخل نباہ میں

فردوس میں تو اُسکے کہیں چھاؤں بھی نہیں
جلوے سما رہے ہیں جو اپنی نگاہ میں

لاتقنطو نے خود لبِ گویا عطا کئے
ورنہ زبان لال تھی عذرِ گناہ میں

کیوں بار بار اُنکی خوشامد کریں کہ اب
اُمید ہی نہیں دلِ حسرت پناہ میں

شکوہ کو اُن سے روزِ جزا تک کہاں رکھوں
سوراخ پڑ رہے ہیں دلِ دادخواہ میں

اب خانۂ رقیب میں جانا محال ہے
یہ کہئے روز فتنۂ تازہ کہاں سے آئیں
صیاد دلفریب کی طرزِ نگہ تو دیکھ
توقیر بھی اگر ہے تو بیگانگی کے ساتھ
واں جا نکر گدا کوئی پرساں نہیں مرا
اپنی تو خاک ہوکے نہ خاک آبرو ہوئی

تم تو بسے ہوئے ہو ہماری نگاہ میں
بھرتی وہاں تو رہتی ہے ہر دم سپاہ میں
بے دام سب اسیر ہوئے صیدگاہ میں
آٹھوں پہر وہ رکھتے ہیں مجکو نگاہ میں
کیا لطف ہے جو گذری اسی اشتباہ میں
ہیں پائمال غیر سدا تیری راہ میں

مجروح کہئے میں نہ ہنسوں بولوں تابکے
تم تو سدا رہوگے اسی آہ آہ میں

یہ جو چپکے سے آئے بیٹھے ہیں
وہ نہیں ہیں تو درد کو اُن کے
یہ بھی کچھ جی میں آگئی ہوگی
تذکرہ وصل کا نہیں خالی
مجکو مارا ہے پُرخجالت سے
رنگ جمتا ہے یاں نہ آنے کا
مجکو محفل میں دیکھ کر بولے
خیر ہو ہیں بگاڑ کے آثار
غم ہمیں کھا رہا ہے تو کیا غم
زد میں گر ہے عدو تو ہو وہ تو

لاکھ فتنے اُٹھائے بیٹھے ہیں
سینہ سے ہم لگائے بیٹھے ہیں
کیا وہ میرے بٹھائے بیٹھے ہیں
وہ بھی کچھ لطف پائے بیٹھے ہیں
وہ بھی گردن جھکائے بیٹھے ہیں
یعنے مہندی لگائے بیٹھے ہیں
آپ یاں کیونکہ آئے بیٹھے ہیں
کچھ وہ منہ کو بنائے بیٹھے ہیں
ہم بھی تو غم کو کھائے بیٹھے ہیں
گھات تجھ پر لگائے بیٹھے ہیں

کھوئے جانیکا اپنے دھیان نہیں
کچھ تو ایسا ہی پائے بیٹھے ہیں

شرم سے ہیں وہ لاکھ پردے میں
گو مرے پاس آئے بیٹھے ہیں

شمع ساں گو گھلے ہی جاتے ہیں
اُس سے پر لو لگائے بیٹھے ہیں

اُس گلی میں بسانِ نقش قدم
ہم بھی پاؤں جمائے بیٹھے ہیں

ہو نہ اے شمع حسن پر نازاں
وہ بھی محفل میں آئے بیٹھے ہیں

شوخیاں خود ہیں پردہ در اُنکی
کیوں وہ منہ کو چھپائے بیٹھے ہیں

فرد باطل سمجھ کے دنیا کو
نقشِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

کیا ہے اُس خوشخرام کی آمد
فتنے جو جائے جائے بیٹھے ہیں

طور جس آگ نے جلایا تھا
ہم وہ دلمیں چھپائے بیٹھے ہیں

چشمکیں غیر سے دکھا دیں گے
ہم بھی آنکھیں لڑائے بیٹھے ہیں

لاؤ بالی خرام ہے مجروح
وضع کیسی بنائے بیٹھے ہیں

کل تقدس مآب مسجد تھے
آج رندوں میں آئے بیٹھے ہیں

جگر برشتہ نہیں آہ شعلہ تاب نہیں
کچھ آجکل تپ فرقت کو التہاب نہیں

نہ ہو اگر رخِ دلدار پر نقاب نہیں
یہاں حجاب سے نظارہ ہی کی تاب نہیں

کسی زمانے میں سو بحر خوں بہاتی تھیں
یہ آنکھیں جنمیں کہ اب دیکھنے کو آب نہیں

تری وفا سے تلافی کہاں تلک ہوگی
ہماری حسرت و ارماں کا کچھ حساب نہیں

وہی رقیب سے یکساں ہو اُس کو ربط نہاں
ہماری ضد سے زمانے کو انقلاب نہیں

تم ان کے دینے میں اتنا دریغ کرتے ہو — یہ گالیاں کوئی منصب نہیں خطاب نہیں
تمہاری تنگ دہانی پہ حرف آئے گا — سوال غیر کا دینا کبھی جواب نہیں
فروغِ حسن نے پوشیدہ کر دیا اُس کو — ہماری دید کا مانع تو نقاب نہیں
لگاؤ دل کا نہ ہو جائے خلق پر ظاہر — یہ مصلحت ہے جو وہ ہم سے بے حجاب نہیں
وہ ہم سے آنکھ ملائیں کہاں یہ اُن کو دماغ — میں اُنکو پاس بلاؤں یہ مجھ میں تاب نہیں
شبِ فراق میں اندوہ رنج بیتابی — ہمارے پاس ہے سب کچھ پہ ایک خواب نہیں
ہمیں وہ چاہنے والوں میں اب نہیں گنتے — وہ بات بات پہ جھڑکی نہیں عتاب نہیں
وہ یادِ غیر میں ہیں محو ورنہ کیا باعث — کہ میرے پاس ہیں اور اُنکو اضطراب نہیں
وہاں جو آئے گا واعظ وہ خاک پائے گا — تمہاری بزم میں ساقی نہیں شراب نہیں
وہ خندۂ نمکیں کا مذاق کیا جانے — ابھی رقیب کا ہجراں سے دل کباب نہیں

یہ جس پہ گذری وہی جانتا ہے اے **مجروح**
کہ دل لگی سے فزوں تر کوئی عذاب نہیں

اُس سے رہتی جو چار آنکھیں ہیں — آفتِ روزگار آنکھیں ہیں
وہ جو آیا تو ہم سمجھ کر خواب — ملتے کیا بار بار آنکھیں ہیں
نشہ کے سرخ سرخ ڈوروں سے — یار کی لالہ زار آنکھیں ہیں
گل کھلائے ہیں اشک خونی کے — رگِ ابرِ بہار آنکھیں ہیں
دیکھنا اُس کا چھٹ نہیں سکتا — اس میں بے اختیار آنکھیں ہیں
کھچتے جاتے ہیں وہ تو کیوں اُنکا — کھنچتی انتظار آنکھیں ہیں

شورِ محشر دبا دیا جس نے — اُس کی وہ فتنہ کار آنکھیں ہیں
رہتی ہیں میرے حال پر گریاں — اپنی تو غمگسار آنکھیں ہیں
اک نظر ہی سے کر دیا بیخود — قہر وہ پُر خمار آنکھیں ہیں
عقل والوں کو کر دیا بے خود — اُس کی وہ سحر کار آنکھیں ہیں
گلِ عارض کے اُسکے دور ہی سے — لُوٹتی کیا بہار آنکھیں ہیں
خود وہ نازک ہے بوجھ کیونکہ اُٹھے — پڑتی اُس پر ہزار آنکھیں ہیں
ایک پل بھی نہ گر اُسے دیکھیں — ہوتیں کیا بیقرار آنکھیں ہیں
دل کو دیتا ہے کون بن دیکھے — عشق کی اصل کار آنکھیں ہیں
جلوۂ خاص سے نہ رکھ محروم — کب سے اُمیدوار آنکھیں ہیں

گرد پھرتی ہیں یار کے مجروح
یعنے ہوتی نثار آنکھیں ہیں

مگر کام میرا ادا دیکھتے ہیں — خوشی سے وہ آ آکے کیا دیکھتے ہیں
عزیزوں کو نا آشنا دیکھتے ہیں — زمانہ کی بیڈھب ہوا دیکھتے ہیں
ثنا خواں انہیں غیر کا دیکھتے ہیں — یہی دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں
گئی قتل پر بھی نہ تاثیرِ ہجراں — بس اب تن سے سر کو جدا دیکھتے ہیں
قفس تک بھی لا بوئے گل ہم تو اپنا — ہوا خواہ تجھ کو صبا دیکھتے ہیں
نشاں بوسۂ غیر کا ہے لبوں پر — سم آلودہ آبِ بقا دیکھتے ہیں
نہیں رنج کھانیکی اب دل میں طاقت — طبیعت بہت بدمزا دیکھتے ہیں

وہ غصہ سے آئینہ کیونکر نہ توڑیں ‏— کہ اپنا سا اک دوسرا دیکھتے ہیں
نہیں کوئی دنیا میں اُلفت سے خالی ‏— کہ پتھر کو آہن ربا دیکھتے ہیں
لگے سارے بیجا غضب سارے ناحق ‏— اس اُلفت میں کیا کیا مزا دیکھتے ہیں
بظاہر تو آثار ہیں دشمنی کے ‏— نگاہیں مگر مہرزا دیکھتے ہیں
نہیں اُنکا ثانی مگر اس جہاں میں ‏— وہ بن بن کے آئینہ کیا دیکھتے ہیں
کیا عشق اور دل نے کہنا نہ مانا ‏— اُسی کی تو حضرت سزا دیکھتے ہیں
حسینوں کی توقیر دیکھو کہ عاشق ‏— وفا کر کے اُن کی جفا دیکھتے ہیں
کسی سے یہ ہو وقت ملنے کا شاید ‏— وہ مُڑ مُڑ کے اسوقت کیا دیکھتے ہیں
جو انسان تھے وہ گئے اب تو ہر سو ‏— کچھ انسان حیواں نما دیکھتے ہیں
نہیں وجہ خواہش سے کچھ دل کی طالب ‏— فقط وہ میرا حوصلا دیکھتے ہیں
نہیں مجھ پہ گاہے نگاہِ محبت ‏— مگر ہاں وہ ہو کر خفا دیکھتے ہیں
نہیں دل رہا اپنے قابو میں ہم تو ‏— تیری راہ اے دلربا دیکھتے ہیں
کریں خاک اسوقت میں عرض حاجت ‏— اُنہیں پہلے ہی ہم خفا دیکھتے ہیں

نئی کیا ہے مجروح کی روتی صورت
یوں ہی اس کو غمگیں سدا دیکھتے ہیں

ان کی باتوں پہ نہ جاؤ کہ یہ کیا جانتے ہیں ‏— یہ تو بیٹھے ہوئے سو فتنے اُٹھا جانتے ہیں
ہو نہ ہرجائی یہ کہنا ہے غرض پر محمول ‏— اصل مطلب تو ہے کیا اور وہ کیا جانتے ہیں
خود وہ بد ہے جو کسی اور کو کہتا ہے بُرا ‏— نیک وہ ہیں جو بُروں کو بھی بھلا جانتے ہیں

چارہ کر سکتے ہیں کچھ مردہ دلوں کا بھی مسیح
یہ تو مانا کہ وہ مُردے کو جلا جانتے ہیں

سعی کی سیری کسی نے تو بہت اترا کر
ہنس کے بولے کہ اُسے آپ ہی کیا جانتے ہیں

ہیں جو مشغول عمارات رفیع و محکم
کیا قیام اپنا یہیں اہلِ فنا جانتے ہیں

ہم کو وہ سر پہ بٹھاتے ہیں نہ کر اپنا خیال
یہ تو ذکر اُن کا ہے جو قدر وفا جانتے ہیں

بوئے گُل لائی ہو تو یار کی بو کے بدلے
اس تری چھیڑ کو ہم باد صبا جانتے ہیں

غیر اور یار سدا رہتے ہیں چسپاں باہم
کیوں یہ سب عرض سے جوہر کو جدا جانتے ہیں

یہ نئی بات ہے ہم اُسکے لبِ شیریں پر
مرتے ہیں اور اُسے آبِ بقا جانتے ہیں

بن بلائے جو وہ آجاتے ہیں ہر شب ہمدم
کیا وہ سچ مچ میرے نالوں کو رسا جانتے ہیں

عرضِ حاجت پہ یہ کہتے ہیں کہ کیا حاجت ہے
تیرے مطلب کو تو ہم تجھ سے سوا جانتے ہیں

ہائے قسمت وہ رہیں جان کے لیوا ہر دم
جن کے انفاس کو ہم روح فزا جانتے ہیں

قتل کرتے ہیں کسی کو تو کسی کو پامال
اور اس بات کو سیدھی سی ادا جانتے ہیں

ہے ہر اک شخص کسی بات سے آگاہ ضرور
کوئی مجروح سے پوچھو کہ یہ کیا جانتے ہیں

غُبارِ خاطرِ دلدار ہوں میں
سبک جتنا ہوں اُتنا بار ہوں میں

زمانہ اہلِ غفلت سے ہے لبریز
رہوں تنہا اگر ہشیار ہوں میں

دمِ رفتن جو اُس پُرفن نے ٹوکا
کہا فتنہ نے ہاں بیدار ہوں میں

نہ ہونے سے مرے وہ خوش ہیں شاید
شکستِ خاطرِ اغیار ہوں میں

بڑھا دیتا ہوں ہم جنسوں کا رُتبہ
مثالِ نقطہ گو بیکار ہوں میں

رقیب روسیہ مجھ سے حذر کر
اُلجھ پڑنے میں زلفِ یار ہوں میں

تامل سے مجھے دیکھو تو جانو
کہ اک گنجینۂ اسرار ہوں میں

رکھوں چشمِ شفا اُس چشم سے کیا
وہ کہتی ہے کہ خود بیمار ہوں میں

تجھے کس چین سے رکھنا ہو ملیں
غمِ جاناں ترا غمخوار ہوں میں

وہ پا نازک ہیں برگِ گل سی پھر کیوں
پسا جاتا دمِ رفتار ہوں میں

نہیں زندہ تو مردہ بھی نہیں ہوں
ہلاکِ چشمِ جادوکار ہوں میں

کہوں کس طرح سے میں انکو ایجان
کہ اپنی جان سے بیزار ہوں میں

حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے میری
عجب اک عقدۂ دشوار ہوں میں

نہیں مجروحؔ شاہی کی تمنا
غلامِ حیدرِ کرار ہوں میں

خرابی خواہ وہ ہیں شاد ہوں میں
اُجڑنے کے لئے آباد ہوں میں

نہ چھوٹوں گا کہ رنگیں بال و پر سے
پسندِ خاطرِ صیاد ہوں میں

غمِ شیریں میں دیدی جانِ شیریں
نثارِ ہمتِ فرہاد ہوں میں

جگہ میری ہے کیوں ہر اک کے دل میں
مگر اُس بیوفا کی یاد ہوں میں

لگاؤ منہ نہ مجھکو نئے کی مانند
سراپا نالہ و فریاد ہوں میں

رموزِ عشق کیا مجنوں سے پوچھوں
کہ ان باتوں میں خود اُستاد ہوں میں

جہاں کے شادی و غم درگذر ہیں
ملول اُس سے نہ اس سے شاد ہوں میں

مجھے پوچھا جہاں خنجر کو دیکھا
اُسے بھولا نہیں ہوں یاد ہوں میں

سبھی سے یوں تو ہے مہر و محبت
فقط اک موردِ بیداد ہوں میں

ہوائے غیر اُسے ہر دم ہے مجروح
بھلا پھر کس لئے برباد ہوں میں

دکھ دیئے جاؤ یاں گریز نہیں
کیا پئے دادرستخیز نہیں

حسرتیں خام ہیں یہ نالۂ گرم
ہیں تو آتش پہ خاک تیز نہیں

درِ مے خانہ بند ہے شاید
آج آوازۂ بریز نہیں

استخواں ایک بھی نہیں ایسا
ضربِ غم سے جو ریزریز نہیں

ابتو کچھ اور ہی نگاہیں ہیں
وہ نگہ ہائے لطف خیز نہیں

ذبح کرتا ہے قاتلِ بیرحم
اُس چھری سے مجھے جو تیز نہیں

کوئے جاناں میں کیا نہیں پہنچی
جو صبا آج عطر بیز نہیں

کہئے ہے آج کیا کہ مجھ سے بھی
گرم ہنگامۂ ستیز نہیں

لوگ خواہانِ ابر ہیں مجروح
کیا تری چشم اشک ریز نہیں

کھٹکا رہا سحر کا شبِ وصلِ یار میں
یادِ خزاں نے لطف نہ رکھا بہار میں

ملتی ہے اسکی وضع زبس خوئے یار میں
آئے نہ کیوں مزا ستمِ روزگار میں

پژمردہ دل کدورتِ ایام نے کیا
آئینہ اٹ رہا ہے یہ گرد و غبار میں

سوزِ دروں نے مجکو کیا نخلِ آتشیں
شعلے بھرے ہوئے ہیں مرے برگ و بار میں

میں ہوں وہ نخلِ تازہ بستانِ آرزو
جس کو ہے باغبان نے کاٹا بہار میں

از بسکہ تیر آہ کا ہے ہر دم رہا گذر
سوراخ پڑ گئے مرے سنگِ مزار میں

صحنِ چمن سے یار رہے لا جلد ساقیا
گلگوں شراب ساغرِ مینا نگار میں

آن کی مدد ہے دیدۂ خوں نابہ ریز کو
جو خوں ہیں حسرتیں دلِ امیدوار میں

آنے میں اُس کے دیر یہاں تک ہوئی کہ ہم
اپنے کو آپ بھول گئے انتظار میں

دل کو کہاں یہ تاب کہ وہ کم ہو ساقیا
آبِ بقا ملا نہ مئے خوشگوار میں

رکھتا نہیں وہ پاؤں زمیں پر یہ سچ تو ہے
سر عاشقوں کے فرش ہیں اس رہگزار میں

شیطاں کا اُس کو جال بچھایا ہوا سمجھ
دل مت پھنسا جہان کے نقش و نگار میں

ہوتا نہیں ہے بد کا کوئی عضو بے بدی
آتش میں جو جلن ہے وہی ہے شرار میں

کب دیکھیں چاک جیب سے فرصت ملے ہمیں
دستِ جنوں کا دھیان ہو ایک ایک تار میں

سیماب و برق میں ہوئی جس سے کہ یہ تڑپ
وہ اصل مادہ ہے دلِ بیقرار میں

گل سے تو لاکھ مرتبہ بہتر ہے روئے یار
بلبل پہ کیا ہے میں تو یہ کہدوں ہزار میں

ہر ایک جانتا ہے کہ مجھ پر نظر پڑی
کیا شوخیاں ہیں اُس نگہِ سحر کار میں

مجروح کیوں یہ فکر ہے ہوگا وہی ضرور
جو کچھ کہ ہے مشیتِ پروردگار میں

ردیف الواؤ

جبہہ سائی درِ شہ عرشِ معلیٰ دیکھو
زائرو آؤ مدینہ کا یہ رتبا دیکھو

روضۂ پاک شہِ یثرب و بطحا دیکھو
خاص جو طور میں تھا یاں اُسے ہر جا دیکھو

لبِ اعجاز بیاں کو نہیں دیتا جنبش
سامنے آپ کے آدابِ مسیحا دیکھو

مجلسِ خواجہ بلا قید ہے آؤ بیٹھو
پر فرشتوں سے بھی خالی جو کوئی جا دیکھو

خانۂ کعبہ میں کیا ہے جو مدینہ میں نہیں
سامنے آنکھ کے پردہ ہو تو پھر کیا دیکھو

فخر وہ جانتا ہے رہبری یثرب کو
آپ آجائے گا کیوں خضر کا رستا دیکھو

لمعۂ طور کی ہے چہرۂ انور میں جھلک
تابِ دیدار اگر لاؤ تو موسےٰ دیکھو

دیکھنا نورِ مجسم کا اگر ہو منظور
جا کے یثرب میں ضریحِ شہِ والا دیکھو

گر ہو وا چشمِ بصیرت تو درِ حضرت پر
میرے ہمراہ فرشتوں کو جبیں سا دیکھو

واہ کیا خوب مقابل میں درِ حضرت کے
خلد کو لائے ہیں لو اور تماشا دیکھو

طوطیا جان کے آنکھوں میں لگاتے ہیں ملک
رتبۂ خاکِ درِ سیدِ والا دیکھو

چاہتا ہے درِ حضرت پہ بچھائے آنکھیں
دلِ گستاخ کی یہ اور تمنا دیکھو

تم طلبگارِ جناں ہو تو مدینہ میں رہو
چپے چپے پہ درِ خلد یہاں وا دیکھو

ہے صفا خیز زبس لطف ہوائے یثرب
راز جو دل میں نہاں ہیں انہیں پیدا دیکھو

سنگریزوں کی جگہ بکھرے درِ حضرت پر
گوہرِ تاجِ سرِ قیصر و دارا دیکھو

گلشنِ روضۂ اقدس میں بسانِ بلبل
روز مجروح کو تم زمزمہ پیرا دیکھو

نویدِ امن ہے اہلِ جہاں کو
ہمیں سے ضد ہے اب تو آسماں کو

تمہیں گر خوش زباں ہونا ہے صاحب
تو لو منہ میں ذرا میری زباں کو

بجا ہے اک جہاں کعبہ کا مشتاق
نہیں دیکھا تمہارے آستاں کو

فلک پر آپ کو کھینچے ہے بجلی — جلا کر میرے خار آشیاں کو
مرے کس کام کا ہی بخت خفتہ — اسے رشوت میں دونگا پاسباں کو
فقط اک دوستداری میں تمہاری — کیا ہے ہمنے دشمن اک جہاں کو
ہنسی ٹھٹا نہیں میرا تڑپنا — ہلا دوں گا زمین و آسماں کو
عنانِ عزم دستِ شوق میں ہے — کہوں میں کیا کہ جاؤنگا کہاں کو
زلیخا کی کشش کب چھوڑتی ہے — بس اب آیا ہی سمجھو کارواں کو
جو بوسہ قیمتِ دل کی تو بولے — خریدے کون اس جنس گراں کو
اُٹھانا رات دن بارِ نزاکت — بہت مشکل ہی اُس نازک میاں کو
نہ دیکھا ہو جو مہرِ شبنم آلود — تو دیکھا اُسکے روئے خوے فشاں کو
نہ اُٹھا نام تک میرا نگیں سے — یہ اُٹھنا بار ہے مجھ ناتواں کو
نظر آتے ہیں آج آثار بیڈھب — بلاتے ہیں وہ ہر دم رازداں کو
سدا بھٹکا کئے آئے تو اُس دم — جب آتش لگ رہی تھی آشیاں کو
کہاں دل تھا جو مجھ بیدل سے لیتے — یوں ہی تہمت لگی ہے دلستاں کو
میں اپنی خانہ بربادی سے خوش ہوں — کہونگا اُن سے اب جاؤں کہاں کو
ہوا ہے آج یاں لیلیٰ کا مذکور — نہ پہونچے یہ خبر اُس بدگماں کو
کہیں دن رات بھی رہتا ہے دربند — بس اب چپ چپ نہ کھلواؤ زباں کو

قطعہ

بُرا ہو جذبِ دل تیرا کہ تونے — کیا بیچین اُس آرامِ جاں کو
جہاں میں شہرۂ نام آوری سے — نہیں ہے شوقِ عزلت پیشگاں کو

سو وہ عنقا کو بھی ہیں یہ نام دھرتے	کہ نام اُس نے کیا لکھو کر نشاں کو

جو اُس کا روکنا ہے تم کو مجروح
نہ روکو دیدۂ دریا فشاں کو

کس سے تسکین دلِ ناشاد ہو	اُن کو گر بھولیں تو کس کی یاد ہو
دلربائی کون سکھلائے تمہیں	تم تو ان باتوں کے خود اُستاد ہو
کچھ نہیں لذت پُرانے جور میں	اب تو ظلمِ نَو کوئی ایجاد ہو
ہم کو بے کھٹکے نہیں رہنا ضرور	دام رہ میں گھات میں صیاد ہو
میرے ہوتے ہیں بُلایا غیر کو	تم تو صاحب جامع اضداد ہو
غیر دل کو گر نہیں دیتا نہ دے	میں بجالاؤں جو کچھ ارشاد ہو
ہے فزوں تلوار سے زخمِ زباں	ناصحو تم بدتر از جلاد ہو
غیر سے کرتے ہو بوسوں کا سلوک	مجھ سے مفلس کی بھی کچھ امداد ہو
پہلے کچھ آئے تھے جواب آؤ گے	جھوٹے وعدوں سے کوئی کیا شاد ہو
حسرتِ دیدار کٹ جائے مری	تیز ایسا خنجرِ فولاد ہو
پائے شیریں میں اگر مہندی کی جا	کیا عجب خونِ سرِ فرہاد ہو
ایک جا پر چین سے بیٹھا تو ہے	کیا کرے گر مرغِ دل آزاد ہو
تارکِ اُلفت ہوں اب پھر دیکھئے	اُسکے مُنہ دیکھے یہ کیا رُوداد ہو

تھا بُرا مجروح پر اتنا نہیں
جس کے مرنے کی مبارک باد ہو

اگر ہے بر سرِ مہر آسماں ہو
کبھی وہ بھی تو ہم پر مہرباں ہو

ملا دیتے یونہیں کچھ ہاں میں ہاں ہو
یہاں ہو پر خدا جانے کہاں ہو

تمہارا شکوہ اور میری زباں سے
معاذ اللہ کتنے بدگماں ہو

علاجِ دردِ دل ممکن ہے لیکن
زباں کو بھی جو یارائے بیاں ہو

وہ ہے اپنا ہی گلزارِ تمنا
جہاں فصلِ بہاری میں خزاں ہو

لکھوں گر اضطرابِ دل کا مضموں
تو بے قاصد کے خط اپنا رواں ہو

ہمیں شکوہ ہے اک بیدادگر کا
اب اسمیں آپ ہوں یا آسماں ہو

نہیں ملتے ہو پر ہو مطلبِ دل
اگر ہو بیوفا پر میری جاں ہو

عجب جا ہے جہانِ عشق بازی
جہاں نام و نشاں جاکر نشاں ہو

یہ ہے پر خار خارِ دل سے خوش ہے
اسی سے تا بنائے آشیاں ہو

ہماری تلخ کامی کو نہ کھویا
یونہیں کہنے کے تم شیریں زباں ہو

زمین و آسماں کی برہمی کو
تمہارا حسن اور میری فغاں ہو

قطعہ
دل ایسے شوخ پُر فن کا ہے طالب
شرارت جس کے چہرے سے عیاں ہو

ٹپکتی ہو لگاوٹ چتونوں سے
حیا کچھ نیچی نظروں میں نہاں ہو

مجھے مجروح کیا دیر و حرم سے
یہ سر ہو اور اُس کا آستاں ہو

سانس بھی لیں نہ جس کا یہ ڈر ہو
وہی آئینہ رو مکدر ہو

ایسے دل کو قرار کیونکر ہو
جو کہ تسکیں سے اور مضطر ہو

نہ سہی لطف گر پسند نہیں ہم کہیں گے کہ تم ستمگر ہو
منتخب اُن کے ناز ہوں کیونکر ایک سے ایک جبکہ بہتر ہو
وہی آئے نہ موت پھر کیئے دل کو آرام ہو تو کیونکر ہو
لطف تب آئیں رنگ رلیونکے غنچہ ساں جبکہ مشت میں زر ہو
کیوں مزا لیں نہ اُنکی لکنت سے قند ہو اور پھر مکرر ہو
ہیں ہوس پیشہ اور وہ مغرور ہو تو صحبت برابر کیونکر ہو
صحن گلزار بادۂ گلنار ہے غنیمت اگر میسر ہو
واں ملاقات کیا نبھے جس جا آپ بیدل ہو یار دلبر ہو
اسلیئے ہی تو چھیڑتے ہیں اُسے اپنے جامہ سے تاکہ باہر ہو
اک فسردہ مزاج ہے مجروح خوش کوئی اُس سے خاک ملکر ہو

دلِ درد آشنا دیا ہم کو لو دیا بھی تو کیا دیا ہم کو
فلکِ کج خرام نے آخر خاک ہی میں ملا دیا ہم کو
ایک جلوے نے اُس پریرو کے اور عالم دکھا دیا ہم کو
اپنی فرقت کی دیکھ صنّاعی غم کا پُتلا بنا دیا ہم کو
بعد مدت پڑی یہ طرز خوشی حالِ بد نے ہنسا دیا ہم کو
یاں تو دریا کشی کے دعوے تھے اک نگہ نے چھکا دیا ہم کو
یار و اعدا میں تھے ہیں پر وہ آخر اُس نے اٹھا دیا ہم کو
مئے کے دھوکے میں ہائے ساقی نے آبِ حیواں پلا دیا ہم کو

ہم تمنائے وصل تھے کس کے
کیوں فلک نے مٹا دیا ہم کو

اُس قیامت خرام نے ہے ہے
پھر دوبارہ جلا دیا ہم کو

کیا تصور نے سحر سازی کی
اُس کو جھٹ پٹ دکھا دیا ہم کو

ایک دو اشکِ خوں بہا لے چشم
تو نے وہ بتہ لگا دیا ہم کو

نامہ بر نے جواب کے بدلے
خط کے پُرزوں کو لا دیا ہم کو

اللہ اللہ نیستی کے مزے
عیشِ سرمد بھلا دیا ہم کو

ہم تک آ جائے کس طرح عشرت
گردِ غم نے چھپا دیا ہم کو

لا کے ہستی سے دیر میں **مجروح**
اک غضب میں پھنسا دیا ہم کو

کام واں کیا حصول اپنا ہو
ہو یہ وحشت کا جہاں کہ اب کیا ہو

کیا عجب ہے کہ عقدۂ خاطر
کثرتِ بستگی سے خود وا ہو

دل کھچا کچھ بھرا ہے رنجوں سے
آ مسرت اگر تری جا ہو

اس سے ہے مادرِ زمانہ عقیم
کیونکہ پھر قدرداں پیدا ہو

حالِ ابتر مریضِ غم کا ہے
اب تو مر جائے یہ تو اچھا ہو

سعی کس کس امید کی کیجے
آدمی ایک اُس سے کیا کیا ہو

مرگ سے پھر بھلا اُسے کیا ڈر
جو جُدائی میں روز مرتا ہو

سُن کے کہتے ہیں ذکرِ حور و پری
ایسا لاؤ جو کوئی ہم سا ہو

کیونکہ اُس پُر حجاب کو دیکھوں
آگے آنکھوں کے جبکہ پردا ہو

وہ تصور میں ہیں یہ ڈر ہے یہی
کہیں اس کا نہ سب میں چرچا ہو

تم پہ کیوں اک جہان مرتا ہے
یہ تو مانا کہ تم مسیحا ہو

جان و دل سے ہیں وہ الگ رہتے
کیوں نہ نامحرموں سے پردا ہو

کارسازی ہوتا کجا مجروح
تم تو سرتاپا تمنا ہو

اسکے جو جو کہ فواید ہیں وہ خود دیکھتے جاؤ
سچ کہا ہے یہ کسی نے کہ پیو اور پلاؤ

ضبط سرکار میں ہونے کے لئے چھوڑ نہ جاؤ
خوب ہی کھاؤ زر و مال کو اور خوب اُڑاؤ

تم میں اور غیر میں جو شب کو ہوئی ہے صحبت
خود کہے دیتا ہے وہ آپ کی آنکھوں کا جھکاؤ

بیٹھنے کے نہیں قابل یہ سرائے ویراں
یہاں سے توشہ کے اُٹھانے کے عوض ناز اُٹھاؤ

میں ہوں مخمور مجھے تاب کہاں ہاں ساقی
صاف ہو دُرد ہو جلدی سے جو مل جائے تو لاؤ

نہیں بیمار کو تکلیف زیادہ دیتے
اپنی آنکھوں کو مرے سامنے اتنا نہ جھکاؤ

دل میں آ بیٹھیے اور سیر دو عالم کیجیے
ہے بہت دور کا اس منزل ویراں سے دکھاؤ

منہ سے گر بات نکل جائے تو آفت آجائے
جو کہیں چپکے سنے جاؤ زباں کو نہ ہلاؤ

میں کہاں اور کہاں رات کا آنا پر ہاں
تیرے گھر سے تو بہت غیر کے گھر کا ہے لگاؤ

اُکھڑے جاتے ہیں قدم دیکھ وہاں کی رنگت
اپنا اُس در پہ ہوا ہے نہ کبھی ہوگا جماؤ

دل کی آبادی کی اب فکر ہے بالکل ناحق
اب تو یاں روز ہی ہوتا ہے سپہ غم کا پڑاؤ

بعد اک عمر کے گر عرضِ تمنا کیجیے
وہ بگڑ کر یہی کہتے ہیں کہ باتیں نہ بناؤ

گرچہ یہ جھوٹ فسانہ ہے ولے ہے دلچسپ
کہتے ہیں اپنی کہانی مجھے تم روز سناؤ

ہوں اگر اس کے عوض نیم نگہ کا خواہاں
ہنس کے وہ کہتے ہیں کچھ قیمتِ دل اور گھٹاؤ

اوّل عشق ہے دل کب ہے سمجھنے والا
ابھی زوروں پہ ہے اس بحر پہ آفت کا چڑھاؤ

حال بھی کہتے اگر ہوش ٹھکانے ہوتے
یاں تو حیرت ہے کہ تم اور مجھے پوچھنے آؤ

دم نکلنے کا الم کس سے سہا جاتا ہے
حرف تم جانیکا ایجان زبان ہی پہ نہ لاؤ

اُن کو تو پاسِ محبت نہیں اصلا لیکن
نبہ سکے تم سے اگر حضرتِ دل اور نبھاؤ

زخمِ ہجراں کی نہیں اور تو دنیا میں دوا
مندمل وصل کے مرہم سے تو ہوتا ہے یہ گھاؤ

کب اُسے دیدۂ تر دعوئے ہمچشمی سے
آٹھ آٹھ آنسو نہ تم ابرِ بہاری کو رلاؤ

اُن کے آنے کے تصوّر میں یہی کہتا ہوں
اے شبِ وعدہ نہ ہو صبح وہ کرتے ہیں بناؤ

واں کھپت ہی نہیں کیا جنسِ وفا لیجائیں
اُنکی سرکار میں اک جور و ستم کا ہی بناؤ

اب ہو مجروح محبت سے بہت گھبرائے
ہم تو پہلے ہی یہ کہتے تھے کہ دل کو نہ لگاؤ

تم یہ کیسے بلند ہمت ہو
ایک بوسہ پہ لاکھ حجت ہو

حق سے کیا ہوں دوکون کے طالب
کیا وہ مانگیں جو تنگ ہمت ہو

ہم اسے دوستی نہیں کہتے
عذر کرنے کی جس میں حاجت ہو

وہ پری رو نہ کیوں ہو ہرجائی
آدمی ہو تو آدمیت ہو

کارِ مشکل ہو کس طرح آساں
جبکہ اپنا قصورِ ہمت ہو

بے صنم کے تو دل نہیں لگتا
ہم نے مانا کہ باغِ جنت ہو

صبر کیوں آج دل میں آیا ہے
اس سے کہدو کہ یانسے رخصت ہو

میرا مرنا سُنا جو اُس بُت نے
ہنس کے بولا غریق رحمت ہو

وہ مجھے جان کر جلاتے ہیں
غیر سے تا کہ گرم صحبت ہو

کام آتا نہیں طباق سا منہ
ماہ اُس کا سا قد و قامت ہو

عاشقی ہے یہ کوئی کھیل نہیں
آشنا لب سے کیوں شکایت ہو

بے نمک ہے یہ شرمگیں رہنا
کچھ تو معشوق میں شرارت ہو

خود بھی جا کر ملوں تو کہتے ہیں
تم تو مجروح بے مروّت ہو

نہیں ممکن کہ وصل جاناں ہو
یہ وہ مشکل نہیں جو آساں ہو

دیکھوں پھر کیونکہ منہ چھپاتے ہیں
گر وہ برقع مرا گریباں ہو

خون کے آنسو ہیں رُلائے فلک
گر مرا زخم دل بھی خنداں ہو

دل بھی کیا ہو گیا ہے اُسکی زلف
آپ ہی آپ جو پریشاں ہو

آدمی کیا جو چوٹ کھائے نہیں
شیشۂ دل شکست ساماں ہو

قطعہ

دو ہوں خوشدل یہ ہو نہیں سکتا
گُل جو خنداں تو ابر گریاں ہو

تشنہ ہوں اور یہ حکم ہمت ہے
تُف نہ کیجو گر آب حیواں ہو

ہے اگر تجکو آبرو رکھنی
تو کسی چیز کا نہ خواہاں ہو

قطعہ

غم سے خالی وہ کس طرح بیٹھے
جس کے دل میں بھرا یہ ارماں ہو

یار سادہ ہو اور بط بادہ
وجد کرنے کو صحن بستاں ہو

سامنے ہوں صراحی و ساغر
ساقئ بزم جرعہ افشاں ہو

لحن دلکش سے مطرب مہوش — دل کا خواہاں ہو جب غزلخواں ہو
ہے غرض یہ کہ خاطر عاشق — تب ہو شاداں جب اتنا ساماں ہو
طبع آزادہ کب ہو منت کش — کس کو پھیلائے جب نہ داماں ہو

سمجھو اُس بت کے پیچ کیا مجروح
تم تو سیدھے سے اک مسلماں ہو

سمجھا ہے وہ اپنا سا رُخ رشک قمر کو — کیوں صدقہ میں وہ اپنے نہ دیدیں گل تر کو
میں جانتا ہوں چھپ کے وہ جاتے ہیں جدھر کو — پکڑو نگاہیں اکدن تری دُزدیدہ نظر کو
ہم وصل میں بھی اُس کی نہیں فکر سے خالی — مضموں کی طرح ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کمر کو
ایسی جو کٹی جلد یقیں ہے شب وصلت — دامن سے بندھا لائے گریبان سحر کو
اُس کوچہ میں اس واسطے بستر ہے لگایا — تا ضد سے مرے بند کرے روزنِ در کو
بازار محبت کی رہ و رسم ہے اُلٹی — ترجیح وہاں نفع پہ دیتے ہیں ضرر کو
دنیا کے طلبگار ہوئے دین کے بدلے — جاتا ہوں کدھر اور مجھے جانا ہے کدھر کو
خالی تو نہ جائیگا یہ پہروں کا نکھرنا — ہم سے تو کہو آج ارادہ ہے کدھر کو
تب جانیں گے حدت تری ای مہر قیامت — تو خشک جو کر دیگا مرے دامن تر کو
خوش دیکھ کے اُن کو جو رکھا ہاتھ بدن پر — کس ناز سے بولے کہ مرے پاس سے سرکو
قہرِ و غضب و خشم ہے وہاں پیرِ وہر کار — وہ عیب سمجھتے ہیں عنایت کی نظر کو
کب ملتی ہے تاریکی بجد میں کوئی چیز — کس طرح شب ہجر میں ہم پائیں سحر کو
مطلب کی کوئی بات نہ تا منہ سے نکالو — ہے حکم رقیبوں کو نہ تم پاس سے سرکو

غیروں کی تو کثرت ہے نہ ہو میر اٹھکانا
وہ آنکھ ہی پہلی سی نہیں ہو تری بے دید

آباد خدا رکھے ہمیشہ ترے گھر کو
میں تاڑ تا رہتا ہوں سدا طرزِ نظر کو

وہ آئیں شبِ وعدہ سمجھ میں نہیں آتا
مجروحؔ تم آراستہ کیوں کرتے ہو گھر کو

ردیف ہائے ہوز

خاتم انبیا رسول اللہ
نائب کبریا رسول اللہ

روئے انور دکھا رسول اللہ
سارے جھگڑے چکا رسول اللہ

جس تجلی سے غش ہوئے موسےٰ
ہے اُسی کی ضیا رسول اللہ

خود محمدؐ ہے مشتق محمود
کیا ہے نامِ خدا رسول اللہ

حق کو پیدائش دو عالم سے
تھا فقط مدعا رسول اللہ

ہو گیا دو جہاں میں بیڑا پار
صدق سے جب کہا رسول اللہ

دل ہے مشتاق جنتِ دنیا
اپنا روضہ دکھا رسول اللہ

یاں کسے ہے مجال گستاخی
ہے حبیب خدا رسول اللہ

خود خدا جس پہ بھیجتا ہے درود
وہ ہے صل علیٰ رسول اللہ

کیوں نہ عالم میں نورِ دیں چمکے
ہادی اور آپ سا رسول اللہ

مہر ملتا ہے روشنی کے لئے
آپ کی خاکِ پا رسول اللہ

نہ ہوا ہے نہ ہوگا عالم میں
آپ سا کوئی یا رسول اللہ

حکمِ ایزد سے ہر مسلماں کے
جاں سے برتر ہو یا رسول اللہ

رہے مجروحِ خستہ پہ دایم
نگہِ لطف یا رسول اللہ

سایہ ہو کس طرح لبِ معجز نما کے ساتھ
حضرت کو کچھ لگاؤ نہ تھا ماسوا کے ساتھ

اب حد سے بڑھ گئیں دلِ بیخود کی جرأتیں
یہ اور اس کو عشق حبیبِ خدا کے ساتھ

ذوقِ جمال و شوقِ خیال و امیدِ یار
کتنے ہجوم ہیں دلِ ہنگامہ زا کے ساتھ

ہوتی نظر زخارفِ دنیائے دوں پہ کیا
تھا آپ کا تعلقِ خاطر خدا کے ساتھ

وہ در ہو اور یاس خیالِ محال ہے
یاں خود لگاوٹیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ

دوزخ کا کچھ ہراس نہ کچھ جرم کا خیال
ہم ہو لئے ہیں شافعِ روزِ جزا کے ساتھ

بچھا تھا رہ میں معجزۂ عیسوی کا فرش
جب آپ آئے اُس لبِ معجز نما کے ساتھ

یوں جنگلوں میں خاک اُڑانے سے فائدہ
کیوں ہو لئے نہ خضر مرے رہنما کے ساتھ

سر پھوڑیں کیوں نہ رشک سے کروبیانِ عرش
میری جبیں کو عشق ہے اُس نقشِ پا کے ساتھ

جس کو درِ حضور پہ جانا ہو جلد تر
ہو لے وہ ایک دم مری شوقِ رسا کے ساتھ

بیٹھے ہو کیوں خموش لئے جاؤ نامِ پاک
آتا ہے دل کو چین مرے اس صدا کیساتھ

ذرہ کو مہر خاک کو زر چاہو سو کرو
الحق رضائے حق ہے تمہاری رضا کیساتھ

نشتر شکن صدا ہو غمِ آلِ مصطفےٰ
کچھ چھیڑ سی رہے دلِ درد آشنا کے ساتھ

اچھے مرادبخش کا تاکا درِ عطا
یثرب کو ہم چلے دلِ حسرت فزا کے ساتھ

اُس میں امینِ وحی کو بیگانگی سی ہے
ہیں خاص نسبتیں جو نبی کو خدا کے ساتھ

اللہ و مصطفےٰ میں جدائی نہ جاننا	یاں ہے وہی ظہور لیکن خفا کے ساتھ

مجروح کی دعا ہے کہ ہنگامِ احتضار
یہ جان نکلے نعرۂ یا مصطفےٰ کے ساتھ

غموں کے زور جانِ زار سے پوچھ	مرض کی سختیاں بیمار سے پوچھ
اُسے سو مرتبہ لاتے ہیں یاں تک	مری بیچینیوں کو یار سے پوچھ
وہ شاید وعدہ یاں آنے کا کرلے	ارے قاصد ذرا تکرار سے پوچھ
ہمارے خاک میں ملنے کا باعث	کسی کی شوخیٔ رفتار سے پوچھ
جدائی کے الم وصلت کے آرام	وہ مجھ سے پوچھ یہ اغیار سے پوچھ
یکایک دل گیا سینے سے کس جا	یہ حال اُس چشمِ جادو کار سے پوچھ
دلِ خونی کا جو کچھ ماجرا ہے	وہ میرے دیدۂ خونبار سے پوچھ
دلِ عاشق کو اُلجھاتا ہے کیونکر	یہ حال اُس طرّۂ طرار سے پوچھ
مے و ساقی سے کیا واقف ہو زاہد	یہ کیفیت کسی میخوار سے پوچھ
کوئی کیا حسرتِ جاوید جانے	یہ اُس کے طالبِ دیدار سے پوچھ
نمکداں اُس دہانِ تنگ کا دیکھ	اور اُس کے لطف مجھ افگار سے پوچھ
حیا میں لاکھ شوخی کا برتنا	کسی کی چشمِ جادو کار سے پوچھ
عجب نکتے ہیں عشق و عاشقی کے	تو اُس کے واقفِ اسرار سے پوچھ

کسی کے نشترِ مژگاں کی کاوش
دلِ مجروح جانِ زار سے پوچھ

چھپ کے میں نے نہ پھر دکھایا منہ — کھل گیا خواب میں جو اسکا منہ
میں نے بوسہ طلب کیا تو کہا — دھو تو رکھو ذرا تم اپنا منہ
ہے اک عالم کو دیکھنے کا شوق — عید کا چاند ہے تمہارا منہ
خیر ہے دل کہیں لگا بیٹھے — کیوں ہے اترا ہوا تمہارا منہ
آئینہ سے نصیب ہیں کس کے — دیکھ لیتا ہے روز اُن کا منہ
بات تک بھی کبھی نہیں کرتے — تم نے کیا سی رکھا ہے اپنا منہ
کبھی زلفوں کو دل نہ دیں اپنا — بیچ میں ہو نہ گر تمہارا منہ
اُس کا منہ دیکھنا نصیب ہوا — صبح دیکھا تھا آج کس کا منہ
لپٹیں لگتی ہیں روز آہوں کی — شب غم کا نہ کیوں ہو کالا منہ
برق اپنی نظر میں کوند گئی — کس نے غرفہ سے یہ نکالا منہ
ساری محفل کی کج رخی دیکھی — اک فقط تھا نہیں تمہارا منہ

اُس کی محفل میں بے بسی سے کل
تکتا مجروح تھا ہر اک کا منہ

ردیف یائے تحتانی

شبِ معراج شاہِ انس و جاں ہے — بہت اپنے پہ نازاں آسماں ہے
حبیب خاص کی ہے آمد آمد — خدا اس دم نہایت شادماں ہے
سواری میں براق برق رفتار — غضب کچھ برق خیزی سے رواں ہے

جلوہ داری میں خود ناموس اکبر
ندائے تر قو سے تر زباں ہے

وہ خوشبوئے سمن زار رسالت
معطر ساز گلزارِ جناں ہے

عبیر آگین اطباق سماوات
کھلا خلد بریں کا عطرداں ہے

ہوئی ہے روشنی اس شب میں ایسی
کہ ظاہر دل کا سب رازِ نہاں ہے

تجلی زار ہے سرتا سر خاک
ہر اک ذرہ سے مہر و مہ عیاں ہے

ترنم ریز ہے مرغانِ جنّت
ندائے خیر مقدم کا نشاں ہے

بچھے ہیں زیر پا بال ملایک
اور اوپر نور حق کا سائباں ہے

مگر ہو پائے اقدس سے سرافراز
اسی حسرت میں فرقِ فرقداں ہے

شرف ہے ختم ختم المرسلیں پر
بھلا کس کا ہوا یہ عز و شاں ہے

وہ خواہاں جیسا اک عالم ہے خواہاں
وہ طالب جو کہ مطلوب جہاں ہے

خدا جس کی کرے خود میزبانی
کہو کیسا معزز میہماں ہے

ہوا ثابت یہ معراج نبی سے
کہ واں کوئی نہیں ہے وہ جہاں ہے

ندائے قرب تھی نزدیک آ آ
ہمیں قوسین کی دوری گراں ہے

تری درگہ میں مجروح حزیں کی
یہ عرض اے رہنمائے انس و جاں ہے

مدینے اس کو پہنچا دے کہ کب سے
بھٹکتا یہ غبار ناتواں ہے

بشر کا کس کو حضرت پہ گماں ہے
خدا کا نور پردہ سے عیاں ہے

قدم رکھا ہے اُسکے دا پہ شاید
مرے پاؤں کے نیچے آسماں ہے

بیاں کرتا ہوں اوصاف محمدؐ — خدا گویا مرا ہمداستاں ہے
محمدؐ افتخار مرسلیں ہے — محمدؐ پیشوائے انس و جاں ہے
وہ ہے علم لدنی کا مفسر — وہ اسرار خدا کا ترجماں ہے
وہ ہے دنیا کی پیدائش کا باعث — وہ آدم کا چراغ دودماں ہے
ہے ان دونو کا باہم نفی و اثبات — ولا سے اُسکے ایماں تواماں ہے
ہوا گرم اُس کا بازار شفاعت — پتا اب جنس عصیاں کا کہاں ہے
شجر سے تا بحجر ساجد ہیں اُس کے — وہ عبدیت میں معبود جہاں ہے
نہیں ہے فرق احمد اور احد میں — فقط اک میم مظہر درمیاں ہے
یہ ہے نسبت اسے ذات خدا سے — کہ وہ پنہاں ہے یہ سب میں عیاں ہے
ہوا ثابت یہ پیدائش سے اُسکی — خدا بندوں پہ اپنے مہرباں ہے
کہوں کیا خوبیٔ شکل مبارک — کہ اُس پر ناز خلاق جہاں ہے
جبیں ہوگی فرشتوں کی اُسی جا — نشان پا کا اُس کے یہ نشاں ہے
قدم رکھیں گے دوزخ میں نہ ہرگز — اگر پائے مبارک درمیاں ہے
یہ سب اُسکی صفات ظاہری ہے — حقیقت سے کوئی واقف کہاں ہے
ہیں اس آرام میں یثرب کے ساکن — کہ انکو خلد میں جانا گراں ہے
فرشتے کیوں نہ آنکھوں میں لگائیں — مدینہ کی یہ گرد کارواں ہے
مگر ہو قصر شوکت تک رسائی — تہہ پایاں سر وہم و گماں ہے
جب اُس پر روضۂ اقدس کو دیکھا — تو شرمایا زمیں سے آسماں ہے

علو حوصلہ لازم ہے اُس کو — ق — یہ مدح شاہ گردوں آستاں ہے

اُسے کیا ڈھونڈتے ہو لامکاں پر — خیال اسدم خدا جانے کہاں ہے

بشر تو کیا ملائک سن رہے ہیں — یہ نعت سرورِ دیں کا بیاں ہے

خطر کیا مہرِ محشر سے ہے اُن کو — جنہیں اُس کے ولا کا سائباں ہے

اغثنی یا رسول اللہ اغثنی — بہت رنجوں میں جانِ ناتواں ہے

بسے اُس میں یاد اس پر نام احمد — وہ دل کا شغل یہ وردِ زباں ہے

وہ اُمّی ہے مگر قلبِ مصفا — علومِ لاتناہی کا مکاں ہے

گنہگاری سے کیوں ڈرتا ہے مجروح
ترا مولا شفیعِ انس و جاں ہے

یہ روزِ مولدِ سلطانِ دیں ہے — یہ دن عیدِ سرورِ مومنیں ہے

قدم اُسکا ہوا زینت دہِ خاک — کہ جس کے زیرِ پا عرشِ بریں ہے

ہوا پیدا وہ نام آور جہاں میں — نبوت کے جو خاتم کا نگیں ہے

ہوا طالع وہ خورشیدِ جہانتاب — کہ جس کے نور میں سایہ نہیں ہے

وہ چمکا نور اس ظلمت سرا میں — جو اوجِ قرب کا ماہِ مبیں ہے

ہوا پرتو فگن وہ نور ایزد — کہ جو ظلمت زدائی کفر و کیں ہے

بڑہائی پائے اقدس نے یہ عزت — کہ رشکِ عرش مکہ کی زمیں ہے

یہی ہے چار سو مکہ میں آواز — کہ اب خوبی دو عالم کی یہیں ہے

وہ کشافِ حقایق جسکی ہر بات — تسلّی بخشِ اربابِ یقیں ہے

وہ ابرِ فیض جس کی ذاتِ اقدس
بہارِ اوّل و نخلِ پسیں ہے

برائے غسل لایا آبِ جنت
یہ وجہ نازشِ روح الامیں ہے

ہمیشہ کحلِ مازاغ البصر سے
مکحل چشمِ اعجاز آفریں ہے

نہیں کیا کچھ خدائی میں خدا کی
مگر اک آپ کا ثانی نہیں ہے

رسالت ذکرِ وحدت میں ہے مدغم
جہاں حق ہے محمدؐ بھی وہیں ہے

وظیفہ ہے یہی شیطاں کا ہر دم
کہ احمد رحمت اللعالمیں ہے

خدا سے دیکھئے نسبت نبی کی
یہ رحمت ہے وہ رب العالمیں ہے

خدا غفار اور احمدؐ ہے مختار
ہمیں اب خوفِ محشر کا نہیں ہے

بھلا میں کون اور کیا میرے عصیاں
مرا مولا شفیع المذنبیں ہے

نگاہِ لطف ہو مولا کی اب تو
بہت مضطر دلِ اندوہگیں ہے

چلو مجروح اب مولا کے در پر
کہ خوبی دین و دنیا کی وہیں ہے

کیا کہوں میں کہ کیا محمدؐ ہے
ایک نورِ خدا محمدؐ ہے

محفلِ قرب کی خبر کس کو
واں تو اللہ یا محمدؐ ہے

یہ فقط نقصِ دید ہے ورنہ
کیا خدا سے جدا محمدؐ ہے

کس کو باریک بینیاں اتنی
کون سمجھے کہ کیا محمدؐ ہے

عبدِ اصنام کیوں نہ دشمن ہوں
دوست اللہ کا محمدؐ ہے

عاصیانِ سقیم کو مژدہ
کہ شفیع الوریٰ محمدؐ ہے

ہو نہ کس طرح زندۂ جاوید | ذاتِ حق میں فنا محمد ہے
اُس سے جھلکے ہے نورِ یزدانی | جوہرِ حق نما محمد ہے
اور بھی گو ہوئے خلیل و کلیم | پر حبیبِ خدا محمد ہے
مقتدا یا نہ گام فرسا ہے | خضرِ راہِ ہدیٰ محمد ہے

میرے دل کے نگیں پہ اے مجروح
نقشِ صل علیٰ محمد ہے

محمد نورِ ذاتِ کبریا ہے | خدا سے کم ہے اور سب سے سوا ہے
بجز احمد یہ کس کا مرتبا ہے | کہ ہر اک پیشوا کا پیشوا ہے
وہ بحرِ فضل ہے اُسکا کہ جس کے | ہر اک قطرہ میں اک دریا بھرا ہے
وہ اصلِ مدعا جس کے سبب سے | وجودِ آدم و حوا ہوا ہے
وہ بحرِ نور جس کا حسنِ طلعت | تجلی زارِ انوارِ خدا ہے
وہ شہرِ اعظمِ علمِ الٰہی | کہ در جس کا علی مرتضیٰ ہے
نہ جس گمراہ کو ہو حبِ حیدر | وہ مردود درِ خیر الوریٰ ہے
مقامِ قرب ہے قوسین اُس کا | خدا سے گرچہ ظاہر میں جدا ہے
محمد کہتے ہی آتا ہے آرام | عجب یہ نام بھی نامِ خدا ہے
ملایک کس طرح بے اذن آئیں | سمجھتے ہیں درِ خیر الوریٰ ہے
کسی نے کیا لیا نامِ مبارک | لبِ جبریل پر صلِ علیٰ ہے
وہاں ہر مردہ دل ہوتا ہے زندہ | مدینہ کی عجب آب و ہوا ہے

نہیں دشوار اب یثرب کا جانا
محرک شوق طاقت آزما ہے

نگاہِ لطف یا مولا کہ مجروح
تمہارے در کا اک ادنیٰ گدا ہے

درِ خیر الوریٰ پہ جا جلدی
باغِ جنت کو دیکھ آ جلدی

تیز رو گرچہ ہے شمال و صبا
پاؤں اُن سے بھی کچھ اٹھا جلدی

پاؤں چلنے میں گر کریں سستی
سر سے لے اپنے کار پا جلدی

درِ سرور پہ جبہ سائی کی
کر رہے ہیں ملائکہ جلدی

شبِ معراج کا نہ پوچھو حال
طے ہوا کیا یہ مرحلہ جلدی ق

آسماں پر براق برق نسب
نگہ تیز سے گیا جلدی

اور ہنگام واپسئ حضور
اُس نے پہلے سے کی سوا جلدی

گرم بستر ہی تھا کہ آ پہنچے
اس سو بس ہو گئی اور کیا جلدی

مضطرب ہوں بسانِ قبلہ نما
مکہ دکھلائے اب خدا جلدی

دلِ مجروح ہو نشاط آباد
گر بر آئے یہ مدعا جلدی

جس نے اے خیر الوریٰ دیکھا تجھے
جز خدا اب سے سوا دیکھا تجھے

پیشوائے خلق و محو یادِ حق
سب میں اور سب سے جدا دیکھا تجھے

حشر میں جنت میں ما بین صراط
حکم فرما جابجا دیکھا تجھے

شاد باد اے خانۂ پاکِ رسول
مہبط وحئ خدا دیکھا تجھے

تو نہ ہوتا اگر تو پھر ہوتا ہی کون
باعثِ ہر دو سرا دیکھا تجھے

اے خوشا بخت رسا اُس چشم کے
جس نے اے شمس الضحیٰ دیکھا تجھے

کب جمے برق تجلی پر نظر
کس نے اے نور خدا دیکھا تجھے

کیا ہی یزداں خوش ہوا معراج میں
پاس جب بیٹھا ہوا دیکھا تجھے

واہ وا اے خاک پائے مصطفےٰ
سارے دردوں کی دوا دیکھا تجھے

نور اول میں رسالت میں اخیر
ابتدا و انتہا دیکھا تجھے

جمع تھے اقصیٰ میں سارے انبیا
واں بھی سب کا پیشوا دیکھا تجھے

آقا علی مطاع علی مقتدا علیؑ
مولا علی امام علی پیشوا علیؑ

چالاک خرام عرصہ گہ لافتا علی
سلطان اولیا شہ خیبر کشا علی

اللہ رے نام مرتضوی کا علوے قدر
اعلیٰ کے اسم پاک سے مشتق ہوا علی

طوفان حادثات سے اے دل نہ فکر کر
اس بحرِ غم سے پار ہو اب کہہ کے یا علی

کیا فکر اس کو دشمن روبہ خصال کا
آقا ہو جس کا شیر خدا مرتضیٰ علی

کیا پوچھتے ہو اس دلِ اُلفت پسند کا
مقصد علی مرام علی مدعا علی

ہوتا ہے جب مصیبت عظمیٰ کا سامنا
بے اختیار منہ سے نکلتا ہے یا علی

اکسیر کی امید میں کیوں خاک چھانیئے
لے لیجئے نہ خاک درِ مرتضےٰ علی

سرتاج اولیا اُسے کیونکر نہ جانیئے
تھا بحرِ معرفت کا دُرِ بے بہا علی

ظاہر میں ہے وہ پیکر خاکی میں جلوہ گر
باطن میں پر نہیں ہے خدا سے جدا علی

جو دوش پاک مصطفوی پر ہوا سوار — دنیا میں کون ہے وہ بجز مرتضیٰ علی
قسام خلد و نار نہ کیونکر وہ ہو کہ ہے — مختار کارخانۂ ربّ علےٰ علی
ظاہر ہو دین حق کہ ہوا کفر ناپدید — پنہاں ہو جلد شرک کہ پیدا ہوا علی
اُس دشت گنج ریز سے کیا بخششیں ہوئیں — ہے منبع عطا و سحاب سخا علی
دیں میں گناہ گار کا وہ ضامن نجات — دنیا میں بستہ کار کا حاجت روا علی
ہے بزم میں وہ مظہر الطاف کردگار — اور رزم میں ہے مظہر قہر خدا علی

مجروحِ خستہ جاں کی شب و روز ہے دعا
سینہ میں دم ہو اور زباں پر ہو یا علی

گوہر تاج اتا ہے علی — جوہر تیغ لافتا ہے علی
مالکِ کارخانۂ تقدیر — یا تو خیر الوریٰ ہے یا ہے علی
وصل و حق میں اور حق اُس میں — خانماں سوز ماسوا ہے علی
کب گذرتی ہے بے یہاں گذرے — در علوم رسول کا ہے علی
جُہلا گر بھٹک رہے ہیں تو کیا — حق شناسوں کا پیشوا ہے علی
اہل دنیا نے خود پرستی کی — نہ سمجھا کوئی کہ کیا ہے علی
ہے یہاں تابِ دم زدن کس کو — نفس پیغمبر خدا ہے علی
شیر سے دی نجات سلماں کو — کیوں نہ ہو ضیغم خدا ہے علی
آل احمد کا جو سفینہ ہے — اُس سفینہ کا ناخدا ہے علی
غیر کا یاں گذار ہو کیونکر — اپنے دل میں سما رہا ہے علی

ہے وہ مقصد برار ہر دو جہاں — راست بازوں کا مدعا ہے علی

کار بستہ کا غم نہ کر مجروح
تیرا مشکل کشا سدا ہے علی

نجف میں رہے کربلا میں رہے — مقاماتِ حاجت روا میں رہے
رہا سر پہ سایہ ور شاہ کا — نصیبے سے ظلِ ہما میں رہے
بلا سے جو دنیا کی پایا ہے نجات — وہ سب چھوڑ کر کربلا میں رہے
یہاں ہر جگہ ہے تجلئ طور — شب و روز نور و ضیا میں رہے
جہاں ہے ہر اک نونہالِ نبی — ہم اُس گلشنِ جانفزا میں رہے
کبھی خیمہ گہ میں کبھی صحن میں — کبھی گنبدِ عرش سا میں رہے
ہوئی اُن کی قبروں سے قربت تجھے — سدا جو کہ قربِ خدا میں رہے

دعا ہے کہ مجروحِ مسکیں سدا
امانِ شہِ لافتا میں رہے

کیا حالِ دل اُس شوخ ستمگر سے کہا جائے — جو جنبشِ لب دیکھتے ہی بات کو پا جائے
شبنم نہ تجھے دیکھ کے خورشید کو سچ ہے — جب سامنے یار آئے تو پھر کیونکہ رہا جائے
میں جادۂ متروک کی مانند پڑا ہوں — شاید وہ ادھر بھولے سے آ جائے تو آ جائے
مٹ جائے ابھی کافر و دیندار کا جھگڑا — گر وہ رخِ دلکش کو ذرا اپنے دکھا جائے
اس دل ہی نے سب کام بگاڑے ہیں وگرنہ — وہ راہ پر آ جائے اگر صبر کیا جائے
اک پیر ستم دیدہ کی آنکھیں سوئے در ہیں — کنعاں کی طرف دیکھیے کب بادِ صبا جائے

گم کردہ رہِ شوق ہیں کیا ساتھ ہمارا | رہبر سے کہو خیر سے گھر اپنے چلا جائے
افسردہ یہ ہوں گرمیٔ محفل اُسے سمجھوں | وہ شمع صفت آکے اگر مجکو جلا جائے
اب مرنے کی طاقت تری بیمار میں کب ہے | اس ضعف میں مشکل ہو کہ دنیا سے اُٹھا جائے
دل سینہ جگر سب ہوئے وقفِ غمِ دلدار | کس کس کا بھلا حسرت و افسوس کیا جائے
میں نے جو کہا چھیڑ سے گھر چلئے ہمارے | کس ناز سے کہتی ہیں کہ واں میری بلا جائے

مجروح میں خوش ہوتا ہوں یوں آپ میں آکر
اِک کھوئی ہوئی چیز کو جیسے کوئی پا جائے

خوشی سے کب یہاں آنے کی جا ہے | مرا دل حسرتوں سے بھر رہا ہے
وفادار آپ بندہ بیوفا ہے | یہ سب صاحب کا فرمانا بجا ہے
نہ گر کعبہ میں تھک کر زاہدِ خام | ابھی آگے کو چل یاں کیا دھرا ہے
وہ محشر تک رہیں ہمدوش تو کیا | مرا تو شوق کچھ اس سے سوا ہے
میں دیکھ آیا ہوں سب دیر و حرم کو | تمہارا شور ہر جا ہو رہا ہے
غنیمت ہے ہمیں آوازِ آنی | اگرچہ لن ترانی کی صدا ہے
دل و جان و جگر جو چاہو لے لو | یہاں جو کچھ کہ ہے وہ آپ کا ہے
یہ اتنی کاہشیں ہیں جس کے باعث | وہ یوں بھی تو نہیں کہتا کہ کیا ہے
ق وہ دُر ہے زیب بخشِ تاجِ خسرو | ارے فرہاد دیوانہ ہوا ہے
کہیں قیصر پہ دھری ہے بیستوں میں | یوں ہی سر پتھروں سے پھوڑتا ہے
کسی کروٹ نہیں آرام لیتا | یہ دل ہے یا کہ سینہ میں بلا ہے

کسی رہبر کی یاں حاجت نہیں ہے ۔۔۔ ہمارا شوقِ منزل رہنما ہے

نکلتا ہی نہیں ہرگز وہاں سے ۔۔۔ مگر کیا غیر بھی مطلب مرا ہے

خدا حافظ ہے مجروحِ حزیں کا
وہ ان روزوں[1] بہت بیتاب سا ہے

[1] دنوں

مزا ہم کو ملتا ہے تکرار سے ۔۔۔ وہ خوگر زیادہ ہوں انکار سے
میں ظاہر میں ہوں جنسِ کاسد و لے ۔۔۔ مجھے پوچھ میرے خریدار سے
کسی شکریں لب پہ مائل ہو تم ۔۔۔ ٹپکتا ہے یہ طرزِ گفتار سے
گریباں دری ہے نہ سینہ زنی ۔۔۔ یونہیں آج بیٹھے ہیں بیکار سے
قفس میں رہے یا پھنسے دام میں ۔۔۔ ہمیں کام کیا سیرِ گلزار سے
پسیجے گا اک روز وہ سنگدل ۔۔۔ انہیں نالہ ہائے شرربار سے
یہ ناز و تجبر خدا کی پناہ ۔۔۔ اُلجھتے ہیں چلنے میں رفتار سے
اسی طور اے کاش یاں آ پھریں ۔۔۔ وہ جس طرح پھرتے ہیں اقرار سے
نہیں شکوۂ کم نگاہی ہمیں ۔۔۔ وہ معذور ہیں چشمِ بیمار سے
ہر اک لب پہ ہے شورشِ الاماں ۔۔۔ تری چشمہ ہائے فسوں کار سے
چلے آؤ جلدی سے دیکھیگا کون ۔۔۔ مرا دن ہے بدتر شبِ تار سے
وہ اے کاش ہوں میرے ہی قتل کی ۔۔۔ صلاحیں جو ہوتی ہیں اغیار سے
کبھی مل گئیں ایک دو گالیاں ۔۔۔ وصول اور کچھ بھی ہے سرکار سے
اگر ان سے کہئے کہ غیروں سے بھی ۔۔۔ ق ۔۔۔ دمِ بوسہ پیش آؤ انکار سے

تو کہتے ہیں ہنس کر ارے کیا کروں
مجھے شرم آتی ہے تکرار سے

کبھی ان کا تھا آسماں پر دماغ
یہ مجروح پھرتے جو ہیں خوار سے

نیچی نظروں کے وار آنے لگے
لو بس اب جان و دل ٹھکانے لگے

میری نظروں نے کیا کہا یا رب
کیوں وہ شرما کے مسکرانے لگے

مصلحت ترکِ جور تھا چندے
پھر اُسی ہٹ کھنڈوں پہ آنے لگے

جلوۂ یار نے کیا بے خود
ہم تو آتے ہی اُن کے جانے لگے

سب کا کعبہ ہے منزلِ مقصود
ہم تو آگے قدم بڑھانے لگے

کیا کہیں آمدِ بہار ہوئی
کیوں گریباں پہ ہاتھ جانے لگے

گر حقیقت نگر ہو چشم تو وہ
جلوہ ہر رنگ میں دکھانے لگے

ہم کو ربطِ گذشتہ یاد آئے
وہ جو بن ٹھن کے گھر سے جانے لگے

بس یہی غایتِ تصوّر ہے
ہجر میں لطفِ وصل آنے لگے

اُس سراپا بہار کے جلوے
رنگ کچھ اور ہی دکھانے لگے

کیونکہ فرصت عدو سے تم کو ملی
جو تصور میں میرے آنے لگے

بے غذا کے تو رہ نہیں سکتے
نہ ملا کچھ تو زہر کھانے لگے

بات بنتی نظر نہیں آتی
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

آج مجروح ضبط کر نہ سکا
کیا کرے جبکہ جان جانے لگے

ذبح کر ڈالا مجھے رفتار سے
تیز تر چلتے ہیں وہ تلوار سے

گالیاں دیکر نکالا بزم سے
لو وظیفہ مل گیا سرکار سے

قیمتِ دل تو کہاں گر مفت دوں
تو بھی وہ لیتے ہیں سو تکرار سے

اپنے شکوہ میں نہ کھلواؤ زباں
خوں ٹپکتا ہے لبِ اظہار سے

لن ترانی کچھ نہیں نفیِ ابد
چھیڑ ہے اک طالبِ دیدار سے

آرزوئے قتل میں مرنا پڑا
رہ گیا شکوہ تری تلوار سے

چین سے وہ لوگ کرتے ہیں بسر
جو الگ ہیں کافر و دیندار سے

یاد اُس کی چاہیے تخصیص کیا
دست کش ہو سبحہ و زنار سے

یاس کلی میں ہے صورت چین کی
تنگ ہوں اس رنجشِ ہر بار سے

ہے یہی عاشق فریبی کی ادا
آنکھ اُٹھا کر دیکھ لینا پیار سے

ضد ہے یہ صیاد کو بیرِ قفس
پھیر لاتا ہے درِ گلزار سے

آؤ اور مجروح کی دیکھو غزل
شوق تم کو ہے اگر اشعار سے

پھول جھڑتے ہیں زبس گفتار سے
محفل اُسکی کم نہیں گلزار سے

دل کو لے لیتی ہے کیسا پیار سے
الحذر اُس چشم جادو کار سے

رشتۂ الفت کو بھی گردن کیساتھ
کاٹ ڈالو خنجرِ خونخوار سے

بات بھی کرتے ہیں وہ ضد سے مری
کاٹتی ہے جو فزوں تلوار سے

دیں جگہ کس کس کو جنگل ہے بھرا
آبلوں کو ربط ہے ہر خار سے

سب نے دامن غنچۂ گل سے بھرے
ایک خالی ہم چلے گلزار سے

ہاں سرِ شوریدہ ہی ٹکرائیے
دل ہے گھبراتا در و دیوار سے

یہ نمک افشانیٔ سیارگاں
پوچھ میرے دیدۂ بیدار سے

مجکو جو آتے ہی رخصت کر دیا
وعدہ ملنے کا ہے کیا اغیار سے

ترکِ الفت ہے اگر مدِ نظر
ق ہم بھی راضی ہیں بہت اس کار سے

جو تمہیں منظور ہو سو کیجئے
فائدہ کیا روز کی تکرار سے

چین سے مجروح کرتے ہیں بسر
کون نکلے خانۂ خمار سے

نہ کیوں تیرِ نظر گذرے جگر سے
کہیں پہ وار رکتے ہیں سپر سے

کسی سے عشق اپنا کیا چھپائیں
محبت ٹپکی پڑتی ہے نظر سے

ہوئی ہے اُن کی مشتاقوں سے رہ بند
وہ میرے گھر بھلا آئیں کدھر سے

بھلا دل کا کہاں ملنا کہ اُن کی
نظر بھی تو نہیں ملتی نظر سے

مجھے دیوارِ حسرت نے بنایا
گیا ہے جھانک کر یہ کون در سے

کبھی ٹوٹیں کبھی صیاد کاٹے
غرض اُڑنا نہیں ہے بال و پر سے

کہاں کی پیروی جب قصد یہ ہو
کہ آگے بڑھ کے چلئے راہبر سے

نہ کھولیں گے تو یہ ٹوٹے گا آخر
کہ میں ٹکرا رہا ہوں سر کو در سے

لڑائی کا نہ میں توڑونگا پھر تار
ذرا سی چھیڑ ہو جائے اُدھر سے

اگر جاتی ہے جاں ملتا ہے جاناں
ہمیں تو نفع افزوں ہے ضرر سے

رہا دل میں نہ ہرگز تیر اُس کا — ہمیں کھٹکا یہی تھا پیشتر سے
سوائے شر نہ کچھ دیکھا عدو سے — خدا محفوظ رکھے اس بشر سے

ہوا گو پائمالِ غیر مجروح
نہ سر کا یار کے پر رہگذر سے

وہ کہاں جلوۂ جاں بخش بتانِ دہلی — کیونکہ جنت پہ کیا جائے گمانِ دہلی
ان کا بیوجہ نہیں ٹوٹ کے ہونا برباد — ڈھونڈے ہوا اپنے مکینوں کو مکانِ دہلی
جس کے جھونکے سے صبا طبلۂ عطار بنے — ہے وہ بادِ سحر عطر فشانِ دہلی
مہر زر خاک کو کرتا ہے یہ سچ ہے لیکن — اس سے کچھ بڑھ کے ہیں صاحب نظرانِ دہلی
آئینہ ساز سکندر ہے تو جم جام فروش — وسعت آباد ہے کس درجہ جہانِ دہلی
کر کے برباد اسے کس کو بسائیگا فلک — کیا کوئی اور بھی ہے شہر بسانِ دہلی
اس نئے خلد میں جائیگا ہر اک طالب ہے — کہ کچھ اک دور سے پڑتا ہی گمانِ دہلی
وہ ستم دیکھ چکے تھے کہ رہے آسودہ — فتنۂ حشر میں آفت زدگانِ دہلی
سب سمجھے ہیں سوئے ادب جنتِ ثانی کہنا — وہ کچھ اشخاص جو ہیں مرتبہ دانِ دہلی
سیلی پنجۂ جلاد ستم سہتے ہے — نذرِ بیداد ہوئے منتخبانِ دہلی
یا خدا حضرت غالب کو سلامت رکھنا — اب اسی نام سے باقی ہے نشانِ دہلی

کربتِ غربت و تنہائی و شبہائے دراز
اور مجروح دل انگار بیانِ دہلی

اُن آنکھوں نے ایسا جھکایا مجھے — کہ کچھ ہوش اپنا نہ آیا مجھے

ہزار آفتوں میں پھنسایا مجھے
بھلا آدمی کیوں بنایا مجھے

نمود صور سے بھی اور پھر نہیں
یہ کیا خواب ہی جو دکھایا مجھے

کوئی مجھ سی بھی جنس کا سد نہ ہو
کہ جس نے لیا پھیر لایا مجھے

نہیں بخل کچھ مبدع فیض میں
توجہ کے قابل نہ پایا مجھے

وہ اور مجھ سے اعدا کا شکوہ سنیں
خیال اس کا پہلے نہ آیا مجھے

نہ آنے کو شب محفل عیش میں
کہا اور سے پر سنایا مجھے

کیا رشک اعدا سے نے یہ بدمزہ
کہ آنا بھی اُن کا نہ بھایا مجھے

میں ہوں ہیزم خشک نخل اُمید
جلاتا ہے اپنا پرایا مجھے

نہ تھا دانۂ آرزو اے فلک
عبث خاک میں کیوں ملایا مجھے

دبی آگ کو شعلہ ور کر دیا
فسانہ ترا کیوں سنایا مجھے

وہ گو جانکنی ہے مگر چرخ نے
بھلا کام میں تو لگایا مجھے

کسی نے کہا تیر آفتوں ہے کون
اشارہ سے اُس نے بتایا مجھے

مرے بال و پر نے نکلتے ہی بس
اسیری کا مژدہ سنایا مجھے

وہ اس حالت بد میں تھا مبتلا
کہ مجروح پر رحم آیا مجھے

دردِ ہجراں مگر فزوں تر ہے
ہاتھ رہتا دل و جگر پر ہے

بھولتا ہی نہیں وہ جور و ستم
جو پڑا ہے وہ خوب ازبر ہے

پُر خطر ہے تو ہو رہِ اُلفت
شوق اپنا رفیق و رہبر ہے

ولولہ خیزیاں گئیں دل کی
یاس و امید اب برابر ہے

تشنۂ قتل آو میداں میں
یاں سبیل اُسکا آبِ خنجر ہے

دل تو لینے کو آئے ہو کیا خوب
اُلٹا احسان یہ بھی ہم پر ہے

خواب میں کیا وہ گلبدن آیا
عطر میں بس رہا جو بستر ہے

آہ اے درد و سوزِ ہجر یہاں
پوچھنا کیا فقیر کا گھر ہے

اُن کی کیا بد زبان ہے سب سے
یہ تو ہر دم کا وار ہم پر ہے

اُس کی دلکش ادا کی کیا تدبیر
یہ تو مانا کہ وہ ستمگر ہے

پردہ پردہ میں یہ نکالے پاؤں
ذکر اُنکا ہی اب تو گھر گھر ہے

مہرِ محشر ہے تیز گر تو ہو
یاں رُکاوٹ کو دامنِ تر ہے

خود بتاتی ہے بوئے گل گل کو
کب چھپے وہ جو اہلِ جوہر ہے

کیا کرے خوردہ گیریاں مجروح
آپ سارے جہاں سے بدتر ہے

کمر کے وصف میں قاصر زباں ہے
وہ اس مضموں میں باریکی نہاں ہے

نہ وہ شورش نہ وہ آہ و فغاں ہے
اب اس آتش میں وہ گرمی کہاں ہے

تم اس بیگانہ وضعی پر نہ جاتا
یہی تو اُس کی اُلفت کا نشاں ہے

ذرا دیکھے کوئی دیر و حرم کو
مرا وہ یار ہر جائی کہاں ہے

کروں کس طرح وصفِ جنت و حور
ارے یارو وہ کافر بدگماں ہے

نبٹ لیں اور سے گر یہ بھی چھوڑے
بڑا دشمن تو سب سے آسماں ہے

پڑی تھی کل کڑک کر جس پہ بجلی
وہی شاید ہمارا آشیاں ہے

نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام
ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

پھٹکنے تک نہیں دیتا گلی میں
غضب بے درد اُس کا پاسباں ہے

مکاں سے ہو چکا اُن کا نکلنا
اگر پائے نزاکت درمیاں ہے

ہجومِ جہل ہے کیا علم چمکے
یہ اخگر زیرِ خاکستر نہاں ہے

زمانہ کیوں ہے ایسا ناموافق
مگر اُس کا دلِ نامہرباں ہے

بھلا کیا ہر گھڑی پوچھے سے حاصل
وہی اک حسرتِ دل کا بیاں ہے

ق

کہیں مے پی کے شب جاگے ہو صاحب
علامت ساری چہرے سے عیاں ہے

مژہ برہم خمار آلود آنکھیں
پریشاں طرۂ عنبر فشاں ہے

پس از مردن ملے گا خاک آرام
زمیں کے بھی تو نیچے آسماں ہے

سخن گو یوں تو اک عالم ہے مجروح
مرے استاد کی پر کیا زباں ہے

جسکے دوزخ بھی خوشہ چیں میں ہے
سوز وہ آہِ آتشیں میں ہے

یہ دلاویز زینتِ دُنیا
ہیچ چشمِ مآل بیں میں ہے

سخنِ تلخ سُن کے یہ جانا
زہر بھی لعلِ شکریں میں ہے

اسکا باعث ہی کچھ نہ اسکا سبب
کیا مزا اُسکے مہر و کیں میں ہے

کیا قدِ یار سے ہوئی خجلت
سرو جو گڑ گیا زمیں میں ہے

ہے ہر اک صید سر بلند کئے
وہ کماں دار کیا کمیں میں ہے

ہاں وہ کیونکر زبان پر لائیں | لطف سارا تو اس نہیں میں ہے
دل میں ہے ماسوا کے نقش و نگار | یہ بڑا جرم اس نگیں میں ہے

قرب سے کاملوں کے دور رہے
نقص مجروح خود ہمیں میں ہے

لاکھ غم ہیں ہے سو محن میں ہے | جان جب تک یہ اپنے تن میں ہے
سوزِ غم کی بھڑک معاذاللہ | آگ سی لگ رہی بدن میں ہے
اک جہاں غمزہ اک جہاں انداز | جمع اُس چشم سحر فن میں ہے
پُرفن کے عاشق کے قتل کرنے کا | جوہر اُس تیغ زخم زن میں ہے
آمد آمد خزاں کی ہے شاید | گُل شگفتہ ہوا چمن میں ہے
نہ رہے یار و آشنا باقی | ہم کو غربت ہوئی وطن میں ہے
سب اُسی پر ہیں شیفتہ اب تو | آشتی شیخ و برہمن میں ہے
جاں نثاروں سے ٹیڑھ کی بینی | اُن کے داخل یہ بانکپن میں ہے
اُس کے ہوتے کچھ اس کی پوچھ نہیں | مہر تاباں اسی جلن میں ہے
مرد دیرینہ نوجوانوں سے | ق کہیں کامل ہر ایک فن میں ہے
ہاں مئے تازہ میں وہ بات کہاں | لطف جو بادۂ کہن میں ہے

پوچھ مجروح سے نکات اس کے
طاق یہ عاشقی کے فن میں ہے

ہم اپنا جو قصہ سنانے لگے | وہ بولے کہ پھر سر پھرانے لگے

کہا تھا اُٹھا پردۂ شرم کو
وہ اُلٹا ہمیں کو اُٹھانے لگے

ذرا دیکھئے اُن کی صناعیاں
مجھے دیکھ کر منہ بنانے لگے

کہا میں نے بل یا مجھے مار ڈال
وہ جھٹ آستینیں چڑھانے لگے

مجھے آتے دیکھا جونہیں دور سے
قدم اور جلدی اُٹھانے لگے

اُٹھے وہ تو اک حشر برپا کیا
جو بیٹھے تو فتنہ اُٹھانے لگے

غذا غم میں تھی میری خونِ جگر
اب اعدا کا بھی رشک کھانے لگے

کمالِ تعشق نہیں ہے ہنوز
ابھی سے وہ منہ کو چھپانے لگے

خفا ہو کے جب بے بُلائے گیا
مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے

غنیمت ہے اتنا تو اُٹھا حجاب
کہ اب خواب میں بھی وہ آنے لگے

وہ دل کے اُڑانے سے واقف نہ تھے
ہمیں تو یہ گھاتیں بتانے لگے

مگر اُن پہ رازِ محبت کھلا
جو مجروح سے بچ کے جانے لگے

قتل کرتا ہے تو کر خوف کسی کا کیا ہے
سر یہ موجود ہے ہر دم کا تقاضا کیا ہے

نزع کیوقت یہ آنکھوں کا اشارا کیا ہے
سامنے میرے دھرا ساغرِ صہبا کیا ہے

اپنا یوں دور سے آ کے دکھانا جوبن
اور پھر پوچھنا مجھ سے کہ تمنا کیا ہے

چشمِ پُر آب مری دیکھ کے ہنس کر بولے
یہ تو اک نوح کا طوفان ہے رونا کیا ہے

تیرا پیکان نہیں ہے تو بتا اے قاتل
سانس کے ساتھ یہ سینہ میں کھٹکتا کیا ہے

کیا بر آئے وہ طلب جو کہ محالات سے ہو
پہلے سمجھو تو سہی خواہشِ بوسے کیا ہے

جو کہ خود ہیچ ہو ہیں اسکے سب اسباب بھی ہیچ
جبکہ دنیا ہی نہیں دولتِ دنیا کیا ہے

اسکے آشوب سے عاشق ہی کا دل واقف ہے
تم کو معلوم نہیں چشمِ ستم زا کیا ہے

دلِ مضطر کی عبث ہے مرے سینہ میں تلاش
دیکھئے آنکھ جھکا کر یہ تہِ پا کیا ہے

لاکھ ہوں سامنے وہ آنکھ ملاتا ہی نہیں
گلۂ یار سنو شکوۂ اعدا کیا ہے

کرکے غارت دلِ عاشق کو بھلا کیا لیگا
تیری حسرت کے سوا اور وہ رکھتا کیا ہے

خواب میں جلوۂ جانسوز دکھایا کس نے
پوچھے یوسف سے کوئی جرم زلیخا کیا ہے

آنکھ کھل جائیگی برقع کو جلایا جس دم
ابھی سمجھے وہ نہیں آہِ شرر زا کیا ہے

کون رکھتا ہے توقع کہ جئینگے کل تک
فکر کر آج کی اندیشۂ فردا کیا ہے

کہتے ہیں دل ہی نہ دیتے جو سمجھتے دلبر
واہ اُس شوخ کا اندازِ تقاضا کیا ہے

حالتِ نزع ہے لب بند ہوا چاہتے ہیں
اب تو مجروح سے پوچھو کہ تمنا کیا ہے

وہ یہاں آتے ہیں کس انداز سے
اک قدم اُٹھتا ہے سو سو ناز سے

جو کہ ٹھکرائے نہ سر کو ناز سے
کون سر برآئے اُس طنّاز سے

آگ دل میں لگ گئی آواز سے
کیا ٹپکتا سوز ہے اِس ساز سے

واہ رے شوقِ گرفتاری کہ ہم
خود اُلجھتے ہیں پرِ پرواز سے

خرج اپنا کرکے کیوں کھائے بخیل
پیٹ وہ بھرتا ہے حرص و آز سے

بوسہ نے ثابت کیا اُس کا دہن
ورنہ آگہ کون تھا اس راز سے

بازوئے شل ہے نہ ہنس مرغِ چمن
ہم بھی واقف تھے کبھی پرواز سے

ڈر تو اُس چشمِ فسونگر سے مسیح
ہٹ نہ کر بیٹھے ترے اعجاز سے

چھید پڑتے ہیں دلِ پُر درد میں
مرغ پر بستہ تری آواز سے

بزم میں مے خوارگانِ دیر کی
بیٹھے تھے مجروح کس اعزاز سے

کہہ تو دے جا کر کوئی فرہاد سے
خوابِ شیریں تلخ ہے فریاد سے

جوشِ وحشت طعنہ ہائے چارہ گر
تیز تر ہیں نشترِ فصّاد سے

دیکھ یہ ہوتے ہیں پابندِ وفا
مر کے نکلے خانۂ صیّاد سے

سہل ہے اُن سے دو عالم کی طلب
پوچھ لوں پر خاطرِ آزاد سے

بحرِ غم نے توڑ دی کشتی پہ ہم
تر زباں ہیں ہر چہ بادا باد سے

وہ تو کیا ہیں خفتگانِ خاک بھی
چونک پڑتے ہیں مری فریاد سے

سچ ہے دنیا کی شادی کا مآل
ابتدا کر لو مبارکباد سے

میرے بدلے ہیں مرے ہوش و حواس
اُڑ گئے ہیں دہشتِ صیّاد سے

کیا عجب گر اُس کے شوقِ تیر میں
مُرغ نکلے بیضۂ فولاد سے

تو ہی اے شوخی اُسے لائی یہاں
داد کو پہنچے تری امداد سے

چشم سے افزوں ہے غمزہ کا ستم
بڑھ گیا شاگرد یہ اُستاد سے

اب تو اے مجروح بچنا ہے محال
آ پڑا ہے کام اُس جلاد سے

یہ جوابِ لطفِ زبانی اور ہے
کچھ مری اُلفت بڑھانی اور ہے

شورشِ محشر نہیں جو ہو چکے ۔ اس کا آغاز جوانی اور ہے
جاں شکن ہیں اُس کے پیچیدہ ستم ۔ طرزِ جورِ آسمانی اور ہے
گر نہیں میرا یقیں خود دیکھ لے ۔ آئینہ میں تیرا ثانی اور ہے
اپنا یہ مطلب وہ چھوڑے غیر کو ۔ اور اُس نے دل میں ٹھانی اور ہے
ہو گئے نابود پر باقی ابھی ۔ اک نشانِ بے نشانی اور ہے
بوالفضول ظاہری پر تو نہ جا ۔ عشقِ پنہاں کی نشانی اور ہے
کیا مزا جب اور واقف ہو گئے ۔ لذتِ دردِ نہانی اور ہے
میں تو مستغرق ہوں اپنے حال میں ۔ تم کو ناحق بدگمانی اور ہے
ہے شبِ وصل اور ہے پہلو میں وہ ۔ آج لطفِ زندگانی اور ہے
کیا خیال آیا کسی رفتار کا ۔ طبع میں اپنے روانی اور ہے

یوں تو ہیں مجروح سب شاعر فصیح
میر کی پر خوش بیانی اور ہے

کٹتی ہے یوں رہِ اُلفت میری ۔ میں ہوں اور ساتھ ہی ہمت میری
اُسکے ہوتے میں دو عالم مانگوں ۔ قہر ہے پستیٔ ہمت میری
ظلمِ بے وجہ کا شکوہ جو کیا ۔ ہنس کے بولے کہ یہ عادت میری
قطرۂ آب سو وہ بھی ناپاک ۔ خاک ہے اصلِ حقیقت میری
جھوٹے وعدوں ہی پہ بہلاتا ہے ۔ جانتا ہے وہ طبیعت میری
ہو گی ہمراہ جنازے کے مرے ۔ سر پٹکتی ہوئی حسرت میری

کٹ گیا روز قیامت کب کا ‌ ‌ نہ کٹی پر شبِ فرقت میری
اُن کے دل میں تو جگہ ہے اسکی ‌ ‌ مجھ سے بہتر ہے عداوت میری
شوخ ہوتا نہیں یہ رنگِ حنا ‌ ‌ خون کی ہے کوئی حسرت میری
تاڑتے ہیں کہ مریگا کس دن ‌ ‌ روز کرتے ہیں عیادت میری
پوچھنا مجھ سے یہ انجان بنے ‌ ‌ تم نہیں جانتے حاجت میری

مرضِ عشقِ بتاں میں مجروح
ابتدا ہی ہے نہایت میری

لگے الفت سے دیکھا گاہ کیں سے ‌ ‌ حذر اس نرگسِ سحر آفریں سے
نگہ وہ اور چشمِ سرمگیں سے ‌ ‌ ہمیں تو کھو دیا دنیا و دیں سے
پھنسا سکتا تھا ہم کو دانہ و دام ‌ ‌ مگر وہ خود نکل آئے کمیں سے
ضرور اس وقت کیا تھا ذکر اعدا ‌ ‌ مگر یہ چھیڑ کرنی تھی ہمیں سے
کہاں جاتی ہے اپنی گردشِ بخت ‌ ‌ ملا دوں آسماں بھی گر زمیں سے
درِ میخانہ ہے اک مبدءِ فیض ‌ ‌ نکل آتے ہیں کچھ کامل یہیں سے
نئے فتنے جو اُٹھتے ہیں جہاں میں ‌ ‌ صلاحیں سب یہ لیتے ہیں تمہیں سے
وفا کا قحط ہے ایسا کہ ہم تو ‌ ‌ ملے تو مول لے آئیں کہیں سے
طلب میں سعی تو لازم ہے ہم کو ‌ ‌ کشش تو اصل میں ہوگی وہیں سے
ہمارے قتل سے منکر نہ ہونا ‌ ‌ ٹپکتا خوں ہے ابتک آستیں سے
مذبذب میں ہے دل آؤ نہ آؤ ‌ ‌ تمہیں اس شک کو بدلو گے یقیں سے

طلب میں غیر کی بھی ہاں نہ ہوگی
انہیں خوگر تو ہونے دو نہیں سے

تم اور آؤ گے صاحب اُسکے گھر میں
ہنسی کرتے ہو مجروح حزیں سے

رہیگی نہ بے آفت آئے ہوئے
وہ آتے ہیں دامن اُٹھائے ہوئے

بھلا دانہ کیا کھائے مرغِ قفس
اسیری کا غم ہے وہ کھائے ہوئے

کہا مجھ سے ہنسکر کہ پھر آتے تم
وہی روتی صورت بنائے ہوئے

عدو زیبِ محفل ہیں میرا سلام
یہ آئے ہیں کیا بے بُلائے ہوئے

نہیں شرم یہ بھی اک انداز ہے
وہ بیٹھے جو ہیں منہ چھپائے ہوئے

ہیں اور اُس کے در سے بگڑ کر اُٹھوں
یہ فقرے ہیں اُسکے بنائے ہوئے

ترے در سے مانندِ نقشِ نگیں
نہ اُٹھیں گے ہم بے اُٹھائے ہوئے

نہیں تلخ گو وہ لبِ شکریں
ہمیں پر ہے یہ زہر کھائے ہوئے

رہیں کس سے صاحب یہ سرگرمیاں
پسینے میں ہو جو نہائے ہوئے

ترے خوف سے نالۂ دل شگاف
پھرے ہیں مرے لب تک آئے ہوئے

رہِ مقصد اپنی ہے کعبہ سے دور
چلو خضر پاؤں اُٹھائے ہوئے

نظر سیرِ جنت پہ پڑتی نہیں
وہ جلوے ہیں دل میں سمائے ہوئے

الگ سب سے رہتے ہو مجروح تم
کسی سے ہو کیا دل لگائے ہوئے

سدا میرے در پے ہو آزار کے
پھریں کیوں نہ خوش گھر میں اغیار کے

وہ مو سے سہی پر رہِ عشق میں
نہیں پاؤں جمتے طلبگار کے

فلک جور ایسا کرے کیا مجال
یہ ہیں ہتکھنڈے اُس جفاکار کے

مسیحا بھی اُن سے چُراتے ہیں آنکھ
جو کُشتے ہیں اُس چشمِ بیمار کے

شبِ گور لے تیرگی جس سے وام
وہ اعمال ہیں مجھ سیہ کار کے

کوئی دیر جاتا ہے کعبے کوئی
بھٹکتے ہیں مشتاق دیدار کے

ہمیں جنس کو پھیر لانا پڑا
اُٹھیں ناز کس سے خریدار کے

رہے ہے شکوہ سنجِ ستم ہم سدا
کبھی آسماں کے کبھی یار کے

لکھیں میرے نامہ کا کیونکر جواب
پڑے ہلتے ہوئے ہیں وہ اغیار کے

کہاں اُس کا اُڑنا مگر بعد ذبح
پر اُڑتے ہیں مرغِ گرفتار کے

اِنہیں دل کے لُٹنے کی راہیں سمجھ
یہ روزن نہیں اُس کے دیوار کے

رقیب اُس کے گھر سے نکلتے نہیں
وہ ارماں ہیں کیا مجھ دلِ افگار کے

مگر اُس کا شوریدہ سر مر گیا
کہ چُپ چُپ ہیں اطفال بازار کے

الگ سب سے مجروحؔ آزاد تھے
بچھڑے ہیں تسبیح و زنار کے

دیکھ جلوے تمہارے قامت کے
ہوش جاتے رہے قیامت کے

نہیں میرے خیال میں آتے
عذر لاتے ہیں وہ نزاکت کے

واں ستم تک دریغ ہے ہم سے
یاں توقع میں ہیں عنایت کے

اندنوں غیر سے وہ بگڑے ہیں
لطف اب آئینگے شکایت کے

پاؤں محشر میں اُٹھ نہیں سکتا | بوجھ ہیں سر پہ یہ ندامت کے
ہنس کے بولے سوال بوسہ پر | اب وہ دن ہو چکے رعایت کے
وہ جو کہتے ہیں غیر اُٹھ جائیں | ہم ہیں مفہوم اُس کنایت کے
اُن سے نازک مزاج کے آگے | خوب دفتر کھلے شکایت کے
گوشۂ چشم تک ادھر کو نہیں | ہم تو قائل ہیں اس کفایت کے
دیکھ کر یار کے گلِ رخسار | ہم پہ معنے کھلے نزاکت کے
دل کو کوئی بچا سکے کیونکر | اُس کے انداز ہیں قیامت کے

یاد خاطر رہے دلِ مجروح
شور ہیں آپ کی صباحت کے

مشوش جو نہ فکرِ جاہ میں ہے | وہی تو عیش خاطر خواہ میں ہے
کہی جاتی نہیں کتنا ہی کہیئے | کچھ ایسی بات اُس دلخواہ میں ہے
یہ دشتِ عشق ہے ہشیار رہنا | خضر کھٹکا بہت اس راہ میں ہے
جو وصفِ لامکانی سے ہے موصوف | مکاں اُس کا دلِ آگاہ میں ہے
بتوں کا ترک اب ممکن نہیں ہے | یہ سچ قدرت تو سب اللہ میں ہے
نہیں جانے کا یہ خالی نشانہ | اثر لبریز میری آہ میں ہے
تڑپتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی | تماشا اُسکی بازی گاہ میں ہے
میں اُسکے حُسنِ روز افزوں کے صدقے | ترقی جس سے میری چاہ میں ہے
یہ دنیا کی حقیقت ہے کہ گویا | مکاں اِک دل لگی کا راہ میں ہے

نہ دل کو یار کا یارائے دیدار
ق نہ رہ اُس کی نمائش گاہ میں ہے

جو ہو برق تجلی کے مقابل
بھلا طاقت یہ برگِ کاہ میں ہے

اسے مجروح اب نکلا ہی جانو
دل اُلجھا نالۂ جانکاہ میں ہے

بہت کچھ دھوم ہے روزِ جزا کی
کہیں اُس سے نہ ہو پرسش جفا کی

اُبھار ایسا ہے جوبن کا کہ ہر دم
گرہ ہوتی ہے وا بندِ قبا کی

وہاں ہر بات پر سُو سُو تامل
یہاں جلدی حصولِ مدعا کی

غبارِ خط نے کی آ کر صفائی
صفائی میں کدورت ہی رہا کی

عرق آلود ہے وہ روئے گلرنگ
لگی کیا بھاپ آہِ شعلہ زا کی

نہیں خالی الگ جانا صبا کا
یہ بُولائی ہے اُس نا آشنا کی

شبِ وصلت میں تھا شام و سحر ایک
چمک ایسی تھی روئے پُر ضیا کی

وہ اک بیدرد ہے کیا قدر جانے
خرابی ہے دلِ درد آشنا کی

ہمیشہ کی جفا اس ڈر سے چھوٹی
کہ ہے اس میں بھی اک صورت وفا کی

رہا اس درد سے مجروح نالاں
کہ شب بھر چوٹ اک دل پر لگا کی

جفا عادت کہاں تھی آسماں کی
مگر تقلید اُس نامہرباں کی

یہ دھومیں شورِ محشر کی نہ ہوتیں
ہمیں کیوں خو ہوئی ضبطِ فغاں کی

تڑپتی کیوں مگر بجلی کے دل میں
کھٹک ہے میرے خارِ آشیاں کی

ہوا تک بھی نہیں آتی قفس میں
خبر ہم کس سے پوچھیں گلستاں کی

انہیں درکار ہے رنگینئ بزم
بن آئی میری چشم خونفشاں کی

سبھوں کی لافِ الفت دیکھ لینگے
کہیں نوبت تو آئے امتحاں کی

اٹھا سکتی نہیں بارِ گراں ارض
یہ ہے بودی بنا اپنے مکاں کی

ذرا تم دیکھنا چلمن اٹھا کر
یہ جاتی نعش ہے کس نوجواں کی

نہ لو تم کچھ مگر آکر تو بیٹھو
ہمیں رونق بڑھانی ہے دوکاں کی

صفائے تن نے کچھ پردہ نہ رکھا
خبر کر دی ترے رازِ نہاں کی

انہیں ہے عزم گھر آنے کا میرے
خرابی آئی اس بے خانماں کی

تصور بھی نہیں اس ڈر سے جاتا
کہ کمبختی نہ آئے پاسباں کی

بہ تغییر ردیف اب کی غزل میں
روشن ہو غالبِ معجز بیاں کی

کچھ آن بن ہو چلی ہے باغباں سے
بس اب نکلا ہی سمجھو گلستاں سے

یہ ہلتا ہی نہیں کوئے بتاں سے
نہ ہو کیوں رشک سنگِ آستاں سے

نہ ہونے سے ترے سب کام بگڑے
تجھے اے صبر میں لاؤں کہاں سے

گرفتاری کے دن آئے ہیں شاید
کچھ الفت بڑھ چلی ہے آشیاں سے

قوی تھا آگیا آخر کو غالب
رہے جھگڑے سے جھگڑے آسماں سے

وہ چشمِ سرمگیں دیکھو تو جانو
کہ سب آشوب اٹھتے ہیں یہاں سے

وہ دلبر ہے بجا ہے اس کی خواہش
مگر میں روز دل لاؤں کہاں سے

کیا ہے شوق منزل نے یہ بیتاب
بڑھا جاتا ہوں کوسوں کارواں سے

بلا رشکِ عدو ہوتا ہے ورنہ
ہم اور اُٹھیں تمہارے آستاں سے

وفا سی جنس اور قحطِ خریدار
طمع پھر کیا رکھیں اپنی دوکاں سے

میں اپنے بختِ خوابیدہ کو یارب
بدل لوں کیونکر اُنکے پاسباں سے

نزاکت سخت اُنہیں رکھتی ہو بیچین
کہ چونک اُٹھتے ہیں وہ خوابِ گراں سے

ہنسی ٹھٹا نہیں ہے اس کا سننا
جگر پھٹتا ہے میری داستاں سے

زلیخا کی کشش ہے ڈر ہے مجھ کو
نکل جائے نہ یوسف کارواں سے

ق
میری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے
کوئی لادے درِ پیرِ مغاں سے

کہ اُسکو جوڑ کر میں توڑ ڈالوں
پھر اک جامِ شرابِ ارغواں سے

میں اس بے مائگی سے خوش ہوں مجروح
کہ فارغ ہو گیا سود و زیاں سے

غم سے چھُٹ جانے کی حکمت ہی سہی
جان دینا اُسے رشوت ہی سہی

نام آنے کا تو ہو فرقت میں
وہ نہیں تو کوئی آفت ہی سہی

ہم بھی آئینہ کریں گے دل کو
خود نمائی تری عادت ہی سہی

کچھ تو ہو تلخیٔ غم کی تدبیر
لبِ شیریں کی حکایت ہی سہی

کوئی لے جائے مجھے قاتل تک
غلبۂ شوقِ شہادت ہی سہی

ہر مکاں میں کوئی ہوتا ہے مکیں
میرے غم خانہ میں وحشت ہی سہی

کچھ نہ کچھ لائے ہم اُس محفل سے
خالی پھر آنے کی حسرت ہی سہی

فال تو نیک ہے گو ہو بے اصل	اُس کے یہاں آنے کی شہرت ہی سہی

ہاں شب غم تو بسر ہو مجروح
صبح کو روزِ قیامت ہی سہی

کیوں منہ چھپا ہے کس لئے اتنا حجاب ہے	تیری تو شرم ہی ترے رخ پر نقاب ہے
بیکار اپنی عرض تمنا نہ جائے گی	میرا حریف غمزۂ حاضر جواب ہے
مشکل ہے وصل میں بھی تلافی فراق کی	پہلو میں گر یہی دلِ حسرت مآب ہے
آتش کی آب اُسکی بقا پر دلیل ہے	میں بھی ہوں جب تلک نفسِ شعلہ تاب ہے
اُس چشم پُر فریب کا اللہ رے لگاؤ	ابتک امیدوار یہ ناکامیاب ہے
سیراب اُس کا تشنۂ دیدار کیونکہ ہو	جب ایسی تیز خنجرِ قاتل کی آب ہے
دشمن جو ایک ہو تو بہت جائے خوف ہے	جب سات آسمان ہوں تو پھر کیا حساب ہے
آنکھیں تو مل رہا ہوں پہ افراط شوق میں	یہ جانتا نہیں ہوں کہ کس کی رکاب ہے
اللہ رے میرے شوق کی مشکل پسندیاں	کس آفتِ جہان کو کیا انتخاب ہے
میں نے کہا کہ میرے گھر آؤ؟ کہا کہاں	تیرا تو نام پہلے ہی خانہ خراب ہے

یہ اجتناب شاہد و مے سے کہاں تلک
مجروح بس معاف کہ عہدِ شباب ہے

آگے سے ذرا اُس ستم آرا کے گذر جائے	جسکو یہ تمنا ہو کہ بے موت کے مر جائے
پھر کس سے یہ شکوے شب ہجراں میں رہینگے	کام اپنا کہیں آہِ فلک سوز نہ کر جائے
یہ اصل میں جنسیتِ اصلی کی کشش ہے	دریا میں اگر قطرہ نہ جائے تو کدھر جائے

اتنی بھی تو بیگانہ مزاجی نہ رہے گی
یہ عشق ہے کیا دخل جو تاثیر نہ کر جائے

تشبیہ مرے حالِ پریشاں سے نہ دینا
ایسا نہ ہو وہ طرۂ شبرنگ بکھر جائے

دل خوگرِ شادی ہو یہ ممکن ہے یہ یارو
فرماؤ کہ یہ حسرتِ جاوید کدھر جائے

ظاہر ہے کہ باطن کی لگاوٹ ہو وگرنہ
کیوں غیر کی جانب تری دزدیدہ نظر جائے

اُسکی تو ہر اک آن و ادا کھینچے ہے دل کو
بیچارہ یہ دل ایک ہے جائے تو کدھر جائے

اک کام ہمارا ہو کہ بن جائے یہ بگڑے
اک غیر کا مطلب ہے کہ بگڑے تو سنور جائے

آنکھوں میں کسی کی جو جگہ پاؤں تو کیونکر
میں خواب پریشاں ہوں جو دیکھے وہی ڈر جائے

میں جانتا ہوں کس نے گذاری ہے شبِ ہجر
یہ دل کی تسلی ہے جو کہتا ہوں گذر جائے

لو رشک بھی اب چھوڑ دیا مضطربی میں
ہر ایک سے کہتا ہوں کوئی یار کے گھر جائے

ہے تیرگی ایسی کہ کہیں رہ نہیں ملتی
گھر سے مرے جائے شبِ ہجراں تو کدھر جائے

اچھا ہے جو مجروح کو ہوکے کوئی اُٹھکر
یہ جینے سے بیزار ہے کیا جانے کدھر جائے

منہ چھپانے لگے حیا کر کے
ہوئے بیگانہ آشنا کر کے

ایسے پھر پیچھے نہ ہووینگے
مجکو پچھتاؤ گے رہا کر کے

لطف کیسا وفا ہے کیا وہ تو
رکھتے احسان ہیں جفا کر کے

رہ کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا
رات کاٹی خدا خدا کر کے

اب وہ باتیں کہاں کبھی پہلے
گالیاں سنتے تھے دعا کر کے

خوب ملنے کو آئے تھے صاحب
مجکو مجھ سے چلے جدا کر کے

دل ہی نے اُسکی خو بگاڑی ہے		ہر گھڑی عرض مدعا کر کے
وہ تو غصہ میں آگ تھے ہم نے		اور بھڑ کا دیا گلا کر کے
آہی کودا تھا دیر میں واعظ		ہم نے ٹالا خدا خدا کر کے

کھو دیا ہاتھ سے اُنہیں مجروح
یوں ہی ہر روز التجا کر کے

ابھی ہے صد مۂ ہجراں کی گفتگو باقی	خدا کرے نہ رہے یہ بھی آرزو باقی
ہنوز طبع میں آثار لطف ہیں موجود	گل شبینہ میں کچھ کچھ ہے رنگ و بو باقی
کسی کے مرنیکا افسوس ہو عبث ناداں	مگر جہاں میں رہیگا ہمیشہ تو باقی
در پڑے خون کے آنکھوں سے اب تھم ریج ہو	ہمارے دل میں کہاں تک رہے لہو باقی
نہ اُس کے لب کو فقط لعل کہکے ختم کرو	ابھی تو اس میں بہت سی ہے گفتگو باقی
کوئی بجئے کہ مرے مے پرست کو کیا کام	رہے جہاں میں سدا شیشۂ و سبو باقی
ہوئے تو ہیں وہ مقابل پر اُسکے دنداں کے	خدا رکھے دُر و گوہر کی آبرو باقی
تمام کر ہی کے ہٹتا ہے ظلم بیحد کو	وہ فتنہ ساز تو رکھتا نہیں کبھو باقی
کرشمہ سنج اگر دیکھ لے مرے بت کو	رہے نہ زاہد صد سالہ کا وضو باقی
کسی کی کاکل مشکیں کی نکہت خوش نے	گل شگفتہ میں چھوڑا نہ رنگ و بو باقی
اگرچہ آپ کو کھویا تلاش میں اُس کی	مگر ہے دل میں وہی شوق جستجو باقی
ہمارے شوخ کی نیرنگ سازیاں دیکھو	کہ یاس بخت ہے اور پھر ہے آرزو باقی
اُسے تو میرے تڑپنے کی سیر ہے منظور	کیا تو ذبح پہ رکھی رگ گلو باقی

خدا رکھے مرے مجروح مست کو زندہ
کہ میکدہ میں ہے اس دم سے ہائے ہو باقی

جنسِ ناقص ہوں نہ لاؤ سرِ بازار مجھے
دیکھنے کا بھی نہیں آ کے خریدار مجھے

مثلِ گوہر ہوں نہاں گو صدفِ عزلت میں
ڈھونڈ لاتے ہیں مگر میرے خریدار مجھے

نہ تو کہنے کی اجازت ہی نہ ہے ضبط کی تاب
کیوں کیا خازنِ گنجینۂ اسرار مجھے

دل ہی سے سارے تعلق ہیں سو یہاں دل ہی نہیں
اب نہیں نیک و بدِ دہر سے کچھ کار مجھے

رخنۂ در سے یہ کس آفتِ جاں نے جھانکا
کر دیا فرطِ تحیّر نے جو دیوار مجھے

جل کے سرمہ جو ہوا برقِ تجلی سو یہ دل
بڑھ گئی اور بھی کچھ حسرتِ دیدار مجھے

روز کر دیتا ہے اک گردشِ تازہ سے دوچار
آسماں نے تو کیا مرکزِ دوّار مجھے

سب ہی کرتے ہیں محبت پہ یہ شورش کیا ہے
رحم اے عشق نہ کر جینے سے بیزار مجھے

واہ قسّامِ ازل خوب ہی تقسیم ہوئے
حسنِ جانسوز اسے آہِ شرربار مجھے

اب تو کچھ اپنی بھی آنکھوں سے گرے جاتے ہیں
خوار اتنا نہ کر اے آرزوئے یار مجھے

لاکھ ہوں صید اگر جمع اسے کیا پروا
وہ تو پہچان کے کرتا ہے گرفتار مجھے

کاوشِ غم کی سدا چھیڑ چلی جاتی ہے
ایکدم بھی تو نہیں چھوڑتی بیکار مجھے

سچ ہے بے آڑ کے پھلتا ہی نہیں تازہ شکار
کیوں لگائے نہ رکھے چشمِ فسونکار مجھے

دل میں مجروح کے کچھ درد سوا ہے شاید
آج تو اس نے پکارا ہے کئی بار مجھے

پھر تو معدومِ زمانہ ہی سو مرنا ہو جائے
کوئی بیمارِ محبت اگر اچھا ہو جائے

ایسی آسان ہے کیا عزتِ وصلِ یوسف
شانِ معشوق سے آگہ تو زلیخا ہوجائے

موجدِ عشق ہوئے ہم نہ کہ مجنوں کیا خوب
کام کوئی کرے اور نام کسی کا ہوجائے

نقد دل یار مرا لیتا ہے اک بوسہ پر
بات تو خوب ہے آپس میں جو سودا ہوجائے

دل تو دینا ہے فقط ہمکو مزا لینا ہے
پھر اُسی ناز سے اکبار تقاضا ہوجائے

پھر نہ پاؤگے مجھے مثلِ حبابِ لبِ جو
یہ مرا عقدۂ خاطر نہ کہیں وا ہوجائے

اُنکو مطعون مری اُلفت سے جو کرتا ہے عدو
اصل مطلب ہے جو سچ اُسکا یہ کہنا ہوجائے

خوف بدنامی سے اتنا کہ اُچھل پڑتے ہیں
گر ہوا کا بھی شبِ وصل میں کھٹکا ہوجائے

تم جو بیٹھا ہو تو آئینہ نہ دیکھو صاحب
نہ کہیں تم سے مقابل کوئی تم سا ہوجائے

سرگذشتِ دلِ پُرسوز وہاں کیا کہئے
عرض احوال جہاں شکوۂ بیجا ہوجائے

بحرِ دنیا میں نہ غافل تو اُبھر مثلِ حباب
ایک ہی دم میں خدا جانے یہاں کیا ہوجائے

خانۂ غیر سے یاں آئیں تو کیا کہنا ہے
دل کی برآئیں مرادیں اگر ایسا ہوجائے

جو بجھے زہر میں تلوار نہیں اُس کی پناہ
سرمہ آلود ذرا چشمِ ستم زا ہوجائے

یار مستغنی و دل مضطربِ شوقِ وصال
پردہ پردہ ہی میں رسوا نہ زلیخا ہوجائے

ہم سے گر ضد ہے تو اغیار سے ملنا چھوڑو
دیکھنا سچ نہ کہیں قول ہمارا ہوجائے

ہم سے پابندِ محبت بھی کہیں جاتے ہیں
عقدۂ دام بھی بالفرض اگر وا ہوجائے

کیا سبھی دشمنِ عشاق ہیں معشوق جہاں
نہ رہے رسمِ محبت اگر ایسا ہوجائے

زندۂ عشق تو مرتے ہی نہیں ہیں بالفرض
شمع ساں سر بھی جو کٹ جائے تو پیدا ہوجائے

خواب میں بھی تو وہ اس ڈر سے نہیں آتے ہیں
کہ اس آئینہ کا نہ اغیار میں چرچا ہوجائے

آپ کو یار سے بیگانہ سمجھنا ہے ستم
دیکھے وہ خاک جو خود آپ ہی پردہ ہو جائے

طبع نقاد سے جوہر کو دکھائیں مجروح
قدر افزائے سخن گر کوئی پیدا ہو جائے

چھیلتے کاوشِ مژگانِ ستمگار رہے
دل میں سو رخنے ہر اک رخنہ میں سوفار رہے

اُس کے کوچہ میں رہے یا پسِ دیوار رہے
کیا رہے خاطرِ جاناں پہ اگر بار رہے

ہم نے یہ بھی تو نہ جانا کہ چمن ہے کیا چیز
اپنے ہی حال میں کچھ ایسے گرفتار رہے

لطف کیا ہے جو رہیں یار سے سیدھی باتیں
کچھ نہ کچھ چھیڑ نہ جبتک دمِ گفتار رہے

یاں کسی کے نہیں کچھ بنتے بگڑتے سے غرض
یا رب آباد سدا خانۂ خمار رہے

قدر بیدرد کی ہوتی نہیں کچھ الفت میں
سینہ پُر درد رہے داغ نمکدار رہے

شہر ویرانہ نما کیوں نہ نظر آئے ہمیں
صحبتیں وہ نہ رہیں اور نہ وہ یار رہے

فاش اسرار جو کرتے ہیں سزا پاتے ہیں
بہرِ منصور مہیا رسن و دار رہے

جنس بیقدر نہ ہم سی کوئی ہوگی کہ جسے
مفت بھی لے تو خسارہ میں خریدار رہے

ہم بھی اس خانۂ دنیا میں رہے پر اس طرح
قید خانہ میں کوئی جیسے گنہگار رہے

یاس کُلّی میں لگاؤ نہیں رہتا صاحب
کبھی اقرار رہے اور کبھی انکار رہے

وہ بھی شاید کہ بتقریبِ عیادت آئیں
ہم تو برسوں اسی امید میں بیمار رہے

دیر میں سمجھے مسلمان تو حرم میں کافر
ہم ان افعال سے دونوں ہی جگہ خوار رہے

نہ کبھی نالہ و افغاں نہ کبھی سوز و گداز
آدمی کیا کہ شب و روز ہی بیکار رہے

وہ عنایات و ستم دونو بہم رکھتے ہیں
یاس و امید میں تا اُنکا طلبگار رہے

کوئی خواہاں نہیں اس جنسِ وفا کا ہم تو — خود فروشندہ رہے خود ہی خریدار رہے
اسکی محفل ہے یہ از خلد بریں ہاں سچ ہے — واں سے محروم نہ کیونکر یہ گنہگار رہے
لن ترانی ہوئی آخر ادب آموز کلیم — پہلے تو آپ بہت طالبِ دیدار رہے
اسکے در پر تو کسی کی بھی رسائی نہ ہوئی — کعبہ و دیر ہی تک کافر و دیندار رہے
لیکے صیاد قفس کو جو ادھر سے گذرا — ہم غضب یاس سے تکتے سوئے گلزار رہے
لن ترانی ہی رہی گرچہ ترانے ہیں وہ لے — کچھ نہ کچھ عاشق و معشوق میں گفتار رہے

صلۂ فکرِ رسا مل تو گیا اے مجروح
دیر تک آج وہ سنتے ترے اشعار رہے

دل لگا اس عدوئے جانی سے — ہاتھ اٹھا بیٹھے زندگانی سے
گو وہ گھر سے ادھر ہی کو آئیں — دل تو مضطر ہے بدگمانی سے
ابر برسائے چشمِ تر کے حضور — اس کو پتلا کروں گا پانی سے
آگ بھڑکا رکھی ہے سینہ میں — الاماں سوزشِ نہانی سے
ہم ہیں کیا اور ہماری سعی ہے کیا — ہے گذر اس کی مہربانی سے
سنتے سنتے مرا فسانۂ غم — انکو چڑ ہو گئی کہانی سے
طور مستانہ چال سے دیکھو — ہے وہ بیخودئے جوانی سے
شبِ ہجراں تھی چھوڑنے والی — بچ رہے اپنی سخت جانی سے
زندہ در گور ہو گئے ہم تو — کوہ اندوہ کی گرانی سے
کیوں نہ برہم ہو طبع وسوسہ خیز — یار کی چشمکِ نہانی سے

تنگ ناصح نہ کر کہ پہلے ہی
تنگ بیٹھا ہوں زندگانی سے

حال اپنا بیاں نہ کر مجروح
ہوش اُڑتے ہیں اس کہانی سے

ہوں خوشی کیوں نہ جان جانے سے
یاس گُلتی ہے اُن کے آنے سے

چھپ چھپا کر اِدھر اُدھر جا کر
دیکھ لیتے ہیں ہر بہانے سے

دیکھ صیاد کو نہ کچھ سوجھا
گر پڑے ہم تو آشیانے سے

کیا سُنیں نغمۂ سنجئ بُلبُل
ہائے دل ہی نہیں ٹھکانے سے

نگۂ قہر سے مجھے دیکھا
سو بھی اغیار کے جتانے سے

سب سے آپس میں ملتے جلتے ہیں
اک نرالے ہیں وہ زمانے سے

دام صیاد میں پھنسے جا کر
ہم نکلتے ہی آشیانے سے

واہ اے عشق تیرا کیا کہنا
اور ظاہر ہوا چھپانے سے

تھے مُلوث بہت سو مقتل میں
پاک خوں میں ہوئے نہانے سے

کل تھے مجروح واعظِ مسجد
آج نکلے شراب خانے سے

جو کہ غیروں کو آشنا جانے
وہ بھلا قدر میری کیا جانے

رازِ اُلفت چھپا رہے دل میں
لُطف کیا ہے جو دوسرا جانے

عشق کو ضبط وہ کرے تو کرے
آگ کو خس میں جو چھپا جانے

زاہدِ ورع پیشہ و مسکین
دل لگی کے مزے کو کیا جانے

سالکِ مسلکِ محبت یار
آپ کو اپنا رہنما جانے

ہے وہ عارف جو دولتِ دنیا
دیکھ لے اور غلط نما جانے

فرشِ گل پر جو خوابِ ناز میں ہو
میری بیچینیاں وہ کیا جانے

جانتاں ہے مرضِ مریضِ فراق
ابتدا ہی کو انتہا جانے

دل تو اک چیز ہے مرا یکن
مفت بر ہے وہ قدر کیا جانے

اُن سے مجروح کا جو پوچھا حال
ہنس کے بولے مری بلا جانے

جس کا رُو ہے وجہ حیرانی مری
اُس نے صورت بھی نہ پہچانی مری

جو ہے سو فکر گرفتاری میں ہے
میری دشمن ہو خوش الحانی مری

کچھ نہیں ہوں اور پھر سب کچھ ہوں میں
قطرگی میں دیکھ عمانی مری

دیر تک نظارۂ قاتل کیا
آج کام آئی گراں جانی مری

ہو گیا ہوں ہمسرِ زلفِ دوتا
اُن کو بھاتی ہے پریشانی مری

گُھنگی کا ہے ثمر فرسودگی
کیا رہی ثابت مسلمانی مری

جو کہ ہیں عیبِ لباسِ ظاہری
وہ چھپا دیتی ہے عریانی مری

مہر ہر ذرہ ہے ہر قطرہ محیط
اللہ اللہ رے فراوانی مری

وہ تصور میں گئے اغیار کے
کچھ نہ کام آئی نگہبانی مری

ابرِ رحمت بھی غبار آلود ہے
تہ ہے آلودہ دامانی مری

دل میں نشتر کو نہ دیکھا ہو اگر
دیکھ کاوش ہائے پنہانی مری

میں کسی کا خانۂ دولت نہیں
چرخ کیوں کرتا ہے ویرانی مری

حسرتِ جاوید کی خواہش کسے
کوئی دنیا میں نہیں ثانی مری

اتنا اے **مجروح** ساماں کس لئے
چار دن ہے ہستی فانی مری

دوا کچھ نہیں تیرے بیمار کی
مفرح مگر لعلِ دُربار کی

کبھی آنکھ چھپتی نہیں پیار کی
خموشی ہے یاں طرزِ اظہار کی

دیا حق نے ہے لن ترانی جواب
ہوئی پوچھ کس جا طلبگار کی

وہ بن ٹھن کے گھر سے نکلنے لگے
بگاڑا ہے صحبت نے اغیار کی

مری جنسِ ناقص کو لیتا ہے کون
توجہ ہی بس ہے خریدار کی

کوئی دوست کا اپنے دشمن نہیں
یہ ہیں خاص طرزیں مرے یار کی

عوض اسکے دیتے ہیں حور و قصور
تسلی ہو کیا طالبِ یار کی

نکلتی نہیں جان کیوں ہجر میں
یہ حسرت ہے کیا اُسکے دیدار کی

کھٹکتی ہے دل میں سناں کیطرح
صدا ہے یہ کس نو گرفتار کی

گئے ہمصفیرانِ رنگیں نوا
ہوس اب کسے سیرِ گلزار کی

فلک کو بدی سے کبھی بس نہیں
یہ خو ہو گئی اُس جفا کار کی

کوئی کوہکن ہے کوئی دشت گرد
نہیں عشق میں قدر بیکار کی

وہ اک رات بھی آن سوئے یہاں
قسم غیر کے بختِ بیدار کی

وہ آنکھوں کے ملتے ہی شرما گئے
کھلی کچھ نہ اقرار و انکار کی

کہیں زخم مجروح کا بھر نہ جائے
نشانی ہے یہ خنجرِ یار کی

جز عرضِ حال گو کوئی چارہ نہیں مجھے
پر اُس کے آگے بات کا یارا نہیں مجھے

ہم جانتے ہیں کام یہ بانکی ادا کے ہیں
تلوار سے تو آپ نے مارا نہیں مجھے

جتنا کہ رشکِ غیر سے مشتاقِ مرگ ہوں
اتنا تو اشتیاق تمہارا نہیں مجھے

اک صبر اپنا مونسِ تنہائی تھا سو آہ
مُدت ہوئی کہ وہ بھی سہارا نہیں مجھے

آرام اپنے گوشۂ عزلت میں خوب ہے
پروائے قصرِ قیصر و دارا نہیں مجھے

میں نے کہا کہ بوسہ نہ دے بیٹھ تو سہی
بولا کچھ اعتبار تمہارا نہیں مجھے

محویت اپنے حال میں ہے اسقدر اُسے
پہچانتا وہ یار خود آرا نہیں مجھے

کیا اس میں چین پائے جو اُس میں اُمید ہو
کچھ احتیاجِ عمرِ دوبارا نہیں مجھے

باغِ جناں و سایۂ طوبیٰ ملے تو کیا
وہ بُت جدا رہے تو گوارا نہیں مجھے

مستی میں رازِ کون و مکاں برملا کروں
پر کیا کہوں مغاں کا اشارا نہیں مجھے

بیگانہ وار کرتا ہے اس طرح گفتگو
گویا کہ اُس حریف نے مارا نہیں مجھے

گو بحرِ عشق خوب ہے بہرِ شناوری
آتا نظر پہ اُس کا کنارا نہیں مجھے

مجروحِ خستہ مر نہ گیا ہو خبر تو لو
عرصہ ہوا کہ اُس نے پکارا نہیں مجھے

وہ ہیں طالب تو پوچھنا کیا ہے
جان جاناں سے بھی سوا کیا ہے

تم کو ہونا پڑے گا شرمندہ
یہ نہ پوچھو کہ مدعا کیا ہے

گل و مل ہیں ضرور ہے شبِ وصل
تیری حاجت ہی اے حیا کیا ہے

اک نگاہِ کرم سے ہو کہ نہ ہو
ارزشِ جان مبتلا کیا ہے

فرض عاشق ہے جان کا دینا
اور اس بات سے سوا کیا ہے

سوزِ غم سے نہ دل بچے جب تک
شورشِ عشق کا مزا کیا ہے

قیس و فرہاد نے اُڑائے مزے
عشقبازی میں اب دھرا کیا ہے

ہے وہی ایک مختلف اوضاع
موج خود بحر سے جدا کیا ہے

لائی اُس دست و پا کو قابو میں
تیری تقدیر اے حنا کیا ہے

جان کو چھوڑتی نہیں تن میں
ہے قضا آپ کی ادا کیا ہے

آن کو منظور خود ہے کم نگہی
تیری تقصیر اے حیا کیا ہے

ہوتے ہو ملتے ہی ترشش ابرو
اس ملاقات کا مزا کیا ہے

ذکر اعدا جو سن کے میں بگڑا
ہنس کے بولے تجھے ہوا کیا ہے

ہمہ تن گوش ہو جو تم مجروح
ذکر شربِ شراب کا کیا ہے

سر کو تن سے مرے جدا کیجے
یہ بھی جھگڑا ہے فیصلا کیجے

مجھ پہ تہمت صنم پرستی کی
شیخ صاحب خدا خدا کیجے

لعل کو اُسکے لب سے کیا نسبت
یہ بھی اک بات ہے سُنا کیجے

لو وہ آتے ہیں جلد حضرتِ دل
فکر صبر گریز پا کیجے

ہم غنیمت اُسی کو سمجھیں گے
لو وفا وعدۂ جفا کیجے

اپنا کینہ نہوں کہ یاد رقیب
کس طرح اُسکے دل میں جا کیجے

یاں تو مطلب ہی کچھ نہیں رکھتے
جو کسی سے کہیں روا کیجے

مدعی گھات ہی میں رہتے ہیں
کیونکہ واں عرضِ مدعا کیجے

دُکھ جو مجروح نے سہے غم سے
اُس کا کیا شرح ماجرا کیجے

مر گیا وہ یہ یاد آتا ہے
اُس کا کہنا کہ آہ کیا کیجے

سخت مشکل ہے یار کا کھلنا
یہ گرہ کس طرح سے وا کیجے

صبر کے فائدی بہت ہیں وے
دل ہی بس میں نہ ہو تو کیا کیجے

غیر کی پاسباں کی درباں کی
کس کی جا جا کے التجا کیجے

اُس کی وہ آنکھ اب نہیں مجروح
جلد کچھ اپنا سوجھتا کیجے

اب ضعف سے نہ پوچھ جو کچھ میرا حال ہے
نقشِ نگیں ہوں بیٹھ کے اُٹھنا محال ہے

اُس نازنیں کا خواب میں آنا محال ہے
اے شوق بے ادب تجھے یہ کیا خیال ہے

کچھ عرضِ مدعا کی ضرورت نہیں وہاں
اہلِ غرض ہوں خود مری صورت سوال ہے

ہر چیز کا کمال ہے آہستگی کے ساتھ
آخر ہے جو کہ بدر وہ اوّل ہلال ہے

ہجراں میں اب تو ہے یہ اذیت کہ آجکل
ہمکو حرام موت بھی مرنا حلال ہے

ہر جا پری رخوں کا ہے جمگھٹ لگا ہوا
آراستہ عجب مری بزمِ خیال ہے

دیکھو کہ ماہتاب لکد کوب خلق ہے
یاں جو کہ سرفراز ہے وہ پائمال ہے

سیلاب دجلہ ریز تھا یا ہو گیا سراب
وہ ابتدائے عشق تھی اور یہ مآل ہے

وہ کونسا ہے گل جو نہ کھلتے ہی گر پڑا
سچ ہے کہ ہر کمال کو آخر زوال ہے

انوار بخش پست و بلند جہاں ہے بدر
یکساں ہے اُس کا فیض جو صاحب کمال ہے

اُس کی کمر نہ آئی کسی ڈھب خیال میں
سچ ہے کہ جزو لایتجزے محال ہے

آلودۂ گناہ نہ دنیا سے جاؤنگا
یاں غسل کے لئے عرقِ انفعال ہے

مجروح اور کسب کمال و ہنر غلط
ہاں بے کمال ہونے میں صاحب کمال ہے

نغمہ ساز سناتا ہے جو دمساز مجھے
یاد آتی ہے کسی شوخ کی آواز مجھے

نکلی آواز جو ہیں دام میں ڈالا یہ چرخ
دیکھ سکتا ہی نہیں زمزمہ پرداز مجھے

اُس کی رُوداد سمجھ کر ہو نہ کیونکر دل بند
آج آیا جو نظر یار کا در باز مجھے

اپنی کاہیدہ گئے ضعف سے کھٹکا ہی یہی
ساتھ لیکر نہ اُڑے آہِ فلک تاز مجھے

ہمصفیرانِ چمن کو تو مرخص کر لوں
ہے یہ مہلت فلکِ تفرقہ پرداز مجھے

ہے وہ طرّار اک ڈھب سے پھنسانیوالا
چھوڑتا کب ہے بھلا غمزۂ غمّاز مجھے

طرز کا حضرتِ غالب کی تتبع ہو اگر
وہ تو مجروح ہو سرمایۂ صد ناز مجھے

پاک آئے غرقِ عصیاں ہو چلے
ساتھ جو لائے تھے وہ بھی کھو چلے

اب وہ پہلی سی نہیں کج بحثیاں
بارے کچھ وہ اب تو سیدھے ہو چلے

جب مجھے گھر میں نہیں پاتے تو وہ
آکے کہتے ہیں کہ ہم تو ہو چلے

باغِ عالم کو جو دیکھا بے ثبات
مثلِ شبنم ہم بھی آکر رو چلے

کب مقیمِ دہر ہوں اہلِ فنا
ابتدائے عمر اور غفلت کا زور
راہ مسجد کی نہ یاد آئی مجھے
کجروی سے یہ فلک تھمتا نہیں

رہگزر تھا اس طرف بھی ہو چلے
شام سے پہلے ہی ہم تو سو چلے
جب چلے ہم میکدہ ہی کو چلے
ورنہ تھک جائے ہمیشہ جو چلے

اُس کا واں مجروح پائیں گے ثمر
جو کہ یاں تخمِ سعادت بو چلے

مجھے اور غیر کو باہم لڑا کے
پنپتے کب ہیں مارے اس ادا کے
انہیں سمجھو نہ تیروں کا برسنا
دیا پہلے ہی دل اب دوں تو کیا دوں
یہ شغلِ عشقبازی ہے کہ جس میں
وہاں اغیار سے ہے گرم صحبت
ترا کوچہ مگر ملکِ عدم ہے
حقیقت گو نہیں کھلتی پہ زاہد
وہ کوئی رنگ ہو پر ہے ہمیشہ
وہ سمجھیں نقشِ دیبا خط بطلاں
اُٹھایا اُس نے اک ظاہر کا پردہ
بہت ہیں حسن پہ نازاں منہ و مہر

الگ ہو بیٹھے اک فتنہ اُٹھا کے
وہ چلنا ہائے دامن کو اُٹھا کے
کرشمے ہیں یہ چشم فتنہ زا کے
مجھے شرمندہ کیوں کرتے ہو آ کے
مزے ہیں ابتدا میں انتہا کے
یہاں شکوے ہیں بختِ نارسا کے
نہیں پھرتا ہے واں سے کوئی آ کے
تجسس میں ہے اصلِ مدعا کے
وفا کرتے ہیں پردہ میں جفا کے
جو ہیں تسخیر نقشِ بوریا کے
ابھی پردے اُٹھانے ہیں حیا کے
چکا ہی دو نہ اس جھگڑے کو آ کے

عدو کو بزم آرائی مبارک
نتائج ہیں یہی بختِ رسا کے

ملے مجروح مےخانہ میں زاہد
یوں ہی ٹھہرے تھے اُن کے اتّقا کے

لگی رہتی ہے ہر دم اُس کے پا سے
پسا جاتا ہوں میں رشکِ حنا سے

یہاں ہیں آبِ خنجر کے پیاسے
تجھے کیا تشنگی آبِ بقا سے

یہ ہے خاص اُس کی طرزِ دلربائی
مزا ملتا ہے قہرِ لطف زا سے

کرے تاثیر کیا آہِ شرر ریز
وہ بچ کر چلتے ہیں میری ہوا سے

یقیں ہے اُن کے ملجانے کا ہم کو
شبِ غم کم نہیں روزِ جزا سے

عجب کیا ہے جو میرے گھر میں آجائیں
وہ اتنے پھولتے ہیں التجا سے

اثر معلوم لیکن یہی بس ہے
اُنہیں کھٹکا تو ہے میری دعا سے

ہوئے فرسودہ اپنے ناخنِ شوق
یہ اُلجھاؤ رہے بندِ قبا سے

ملیں ہے خاک آئینہ پہ سچ ہے
کدورت سب کو ہے اہلِ صفا سے

ہر اک دم ہے طلبگار محالات
اجابت کیوں نہ گھبرائے دعا سے

وفورِ شوق نے خط بگاڑا
ہوا مشکوک مطلب جابجا سے

کیا شکوہ جو غیروں کا تو بولے
یوں ہی تم جلتے رہتے ہو سدا سے

یہ قدغن ہے نہ لیجا نکہتِ زلف
وہ بدخواب تو لڑتا ہے ہوا سے

بتوں سے اتنا کیوں دبتے ہو مجروح
ملائیں گے یہ کیا تم کو خدا سے

نہ کیا عرضِ مدعا مل کے
دل میں ارمان رہ گئے دل کے

وہ جب آتا ہے اُس کے لینے کو
ہوش جاتے ہیں اہلِ محفل کے

عزم بالجزم چاہیئے پھر تو
ہر جگہ ہیں نشان منزل کے

ایک ہی وار میں تمام کیا
دست و پا بھی ہلے نہ بسمل کے

ہم وہاں جائیں کیا کہ پہلے ہی
غلغلے ہیں شکستِ محفل کے

ہے نصیحت درست ناصح کی
کیا وہ سمجھے معاملے دل کے

جذب کامل ہو قیس کا تو ابھی
پردے اُٹھ جائیں آپ محمل کے

شربتِ وصل دیجئے یا زہر
رد نہ کرنا سوال سائل کے

حظ اُسے کیا بہشت میں جس نے
رنگ دیکھے ہوں تیری محفل کے

ق

صحبتِ بد میں نیک بد ہو جائے
تجربے ہیں یہ عقلِ کامل کے

آب طاہر کنندہ ہے لیکن
خود نجس ہو شراب میں مل کے

کس ادا سے ہے ہاتھ میں شمشیر
بوسے لوں کیونکہ دستِ قاتل کے

آہِ آہن شکن کو کیا روکوں
ٹکڑے اُڑ جائینگے مرے دل کے

بے طلب نذر دل کو لایا ہے
حوصلے دیکھا اپنے بیدل کے

ایک آزاد طبع ہے مجروح
ہم بہت اُس سے خوش ہوئے مل کے

واہ کس درجہ کی جفا تو نے
کر دیا مجکو بیوفا تو نے

کب وہ پردہ سے منہ دکھاتے ہیں
کی مدد آہِ شعلہ زا تو نے

لا کے اُسکی شمیم عطر آگیں
مجکو تڑپا دیا صبا تو نے

آہی پہنچا تھا محتسب تا دیر
میری عزت رکھی خدا تو نے

دلِ عاشق کو توڑتے رہنا
خوب ڈالی ہے یہ بنا تو نے

نگہتِ یوسفی کو لا کے صبا
مجکو دھوکا ہی تھا دیا تو نے

واہ اے عشق نام عزت کا
کھو دیا سب رہا سہا تو نے

کس سے کہتا ہے یہ کہ صبر کرو
وہ تو پہلے ہی لے لیا تو نے

کیا ہے آسان جان کا دینا
منہ سے اک یہ بھی کہدیا تو نے

اب مرے یا جئے کوئی بیدل
کام اپنا تو کر لیا تو نے

قتل کو میرے آگئے بارے
یہ تو وعدہ وفا کیا تو نے

چھیڑ دیکھو کہ کر کے ذکر عدو
مجھ سے کہتے ہیں کچھ سنا تو نے

قیمتِ بوسہ پوچھنے سے گئے
نرخ اتنا گراں کیا تو نے

دل سی شے سونپ دی اُسے مجروح
ارے ناداں یہ کیا کیا تو نے

جس کو خورشید نے نہ کچھ کم کی
وہ سیاہی ہے اس شبِ غم کی

تخت اور جام کیا کوئی دن میں
خاک اڑتی پھرے گی خود جم کی

سنگ و آہن نہیں ہی یہ دل ہے
تا کجا تاب جورِ پیہم کی

وقت آخر مریضِ غم کا ہے
آمد و شد رہی ہے کچھ دم کی

دلِ عاشق کو چھوڑتی ہی نہیں
قہر گھاتیں ہیں زلفِ پُر خم کی

تیرگی بخت کی نہیں جاتی
پاس اُسکے زیادہ جا جا کر

کیا سیاہی ہو وہ شبِ غم کی
ہم نے توقیر اپنی خود کم کی

مجھ سے مجروح کیوں اُلجھتے ہیں
زلف اُن کی صبا نے برہم کی

یہاں کس کو خوشی رہتی ہو اعدا کی خبر کی
میں بھی ہوں بشر مجھ سے نہ باتیں کرو شر کی

دل زخموں سے ہے چور جگر داغ سے معمور
حیراں ہوں خبر لوں میں ادھر کی یا اُدھر کی

پڑ جائیگا زرد آتے ہی اُس مہر جبیں کے
کھل جائیگی اب سب پہ حقیقت گلِ تر کی

ہم لوگوں میں ہو ربط نہ باہم تو عجب کیا
جب گرم نہ صحبت رہی موسیٰ و خضر کی

میں جانتا ہوں ہوتے ہیں جن جن سے اشارے
غافل نہ سمجھ تاک میں ہوں روزنِ در کی

اپنی تو طبیعت میں ہے آزادہ مزاجی
کچھ سود کی خواہش ہے نہ ہے فکر ضرر کی

اے دستِ جنوں ہجر کی شب میں نہیں تھمتا
ہاں دھجیاں اُڑ جائیں گریبانِ سحر کی

اک وار سے گر کیجیے سرافراز تو جانیں
تعریف تو سنتے ہیں بہت سیفِ دو سر کی

اُس رخ پہ پڑے رہنے کا ڈھب تو ہی نکالا
بنتا ہوں نقاب اُسکے لئے تارِ نظر کی

اغیار کے ملنے سے کبھی سیر نہ ہوگے
جھوٹی یونہیں کیوں کھاتی ہو قسمیں مرے سر کی

کچھ زرد سا آتا ہے نظر چہرۂ خورشید
شاید کہ نقاب اُس رخِ پُرنور سے سرکی

ہے دیکھنا اس طرح کہ گویا نہیں دیکھا
کیا تمکو خبر ہے یہ شرارت ہے نظر کی

کثرت سے ہر اک چیز کے رک جاتا ہے رستہ
روکی ہے دعاؤں نے مری راہ اثر کی

ہے جنس کا اوصاف سے ہم جنس ہی واقف
زیبا ہے دہن سے تری تعریف کمر کی

پتھر کو بناتی نظر مہر ہے یاقوت
ہر عیب کو کھوتی ہے نظر اہلِ نظر کی

دربان سے کام اپنا خوش آمد سے نکالو
مجروح وہیں نکلو گے تکرار اگر کی

تو صحبتِ اعدا نے کیا اور اثر بھی
وعدہ کی طرح پھرنے لگی اُن کی نظر بھی

نسبت بھی ہوئی وہ جو کہ کام اپنا بگاڑے
ہے بند مرے دل کی طرح یار کا در بھی

عاشق نہ سمجھتے تو وہ منہ کو نہ چھپاتے
کھویا دلِ بیتاب نے وہ لطفِ نظر بھی

یہ کیا کہ ہمیں سے ہے ترے ہاں لطف تو جب ہے
تاثیرِ محبت جو ادھر ہو تو اُدھر بھی

ہو طالبِ دیدار مگر حضرتِ موسے
فرمائیے تو آپ میں ہے تابِ نظر بھی

جس طرح زباں کھولی ہے دشنام دہی پر
میں آؤں تو اُس طرح سے کھلوائیے در بھی

دلدادۂ اعدا ہو کہے دیتی ہیں آنکھیں
چھپتا ہے کہیں عشق کا اندازِ نظر بھی

سیراب ہوئے تشنۂ مے تیرے کرم سے
اے ساقئ مستاں نگۂ مہر ادھر بھی

اللہ رے شبِ فرقتِ جاناں کی درازی
ہم کو تو فراموش ہوا نامِ سحر بھی

اب میری عداوت پہ کہو باندھو گے کسکو
کام آ ہی نہ جاتی تری ہوتی جو کمر بھی

اُس کوچہ میں میرا در و دیوار ہے دشمن
لو آنکھ دکھاتا ہے مجھے روزنِ در بھی

اے تیرِ نگہ دل ہی سے جانا نہ نکل کر
ہے فیض قدم کا ترے مشتاق جگر بھی

گو شامتِ اعمال سے اب گوشہ نشیں ہے
پر اصل میں محسودِ ملائک ہے بشر بھی

دیوانہ ہوں ہے دشت ہی میں میرا ٹھکانا
جنگل ہی کی صورت مرا ویران ہے گھر بھی

یاں شوق یہ کہتا ہے کہ دیکھا کروں دن رات
واں فرطِ نزاکت سے نہیں تابِ نظر بھی

سو بار کیا بخیہ پہ پھٹتا ہی نہیں ہے
کیا یار کا پردہ ہے مرا چاک جگر بھی

جب قدر فزا ہو تو کھلیں طبع کے جوہر
موجود ہو گر نخل تو پیدا ہو ثمر بھی

دم ناک میں آیا ہے تری چارہ گروں کا
بیمارِ محبت تجھے مرنا ہے تو مر بھی

کس طنز سے کہتے ہیں مجھے دیکھکے در پر
مجروح جگر خستہ ترا ہے کوئی گھر بھی

جان لی اُس نے یاں دھرا کیا ہے
ملک الموت کو ہوا کیا ہے

اتنا ملنا بھی ترک کر دو گے
یہ نہ پوچھو کہ مدعا کیا ہے

دل میں کیا ڈھونڈتا ہے او بدظن
یاں ترے درد کے سوا کیا ہے

کس کی حاجت ہے غارتِ دلمیں
کم تری چشم فتنہ زا کیا ہے

جبکہ حبل الورید سے ہے قریب
پھر تو ہم سے خدا جدا کیا ہے

جس پہ باب اثر ہوئے مسدود
تیرے عاشق کی وہ دعا کیا ہے

دل ہے دینا گنہ تو جان لے لو
اور اس جرم کی سزا کیا ہے

نہیں نکہت شناس اپنا دماغ
تیری تقصیر اے صبا کیا ہے

میکدہ میں سبیل مے ہو کاش
آج آوازۂ صلا کیا ہے

جب ملیں پیچ و تاب کھاتے ہو
اس ملاقات میں مزا کیا ہے

ہے جو آوازۂ بریز بریز
در میخانہ آج وا کیا ہے

سایہ کیوں ساتھ ساتھ رہتا ہے
یار پر یہ بھی مبتلا کیا ہے

خود نشانہ خطا کیا تو نے
اس میں مجروح کی خطا کیا ہے

عشق میرا بڑھائے جاتا ہے / اپنا جوبن دکھائے جاتا ہے

کون آتا ہے مجھ مریض کے پاس / غش تو ہاں روز آئے جاتا ہے

اُس کا ملنا محال ہے لیکن / شوق ہمت بڑھائے جاتا ہے

اے غمِ یار کیوں نہیں آتا / کیا کوئی تجھکو کھائے جاتا ہے

ظاہرا دور باش و ناز نہاں / پاس اپنے بُلائے جاتا ہے

نہ اُسے شمع چاہیئے نہ چراغ / وہ تو مجھکو جلائے جاتا ہے

وہ ہے صنّاع روز میرے لئے / نئے بُہتاں بنائے جاتا ہے

دلِ مضطر وہاں نہ جا کہ کہیں / کوئی بھی بے بُلائے جاتا ہے

الحفیظ اُس کماں کے تیروں سے / تیوری کو چڑھائے جاتا ہے

بحث میں غیر سے نہ ملنے کے / سارے پہلو بچائے جاتا ہے

کیا مغاں بھی ہے خیر کا پتلا / مے پیاپے پلائے جاتا ہے

رشکِ اعدا کا گھن مرے دل کو / ہولے ہی ہولے کھائے جاتا ہے

ظرف مجروح بادہ کش دیکھو
خُم کے خُم ہی چڑھائے جاتا ہے

یہ شوخی سے اُس کی نظر ہو گئی / کسی نے نہ جانا کدھر ہو گئی

ق

کبھی دیکھتے تھے ادھر بھول کر / اب اُس سے بھی قطع نظر ہو گئی

وہ از بس ہے نازک تعجب ہے کیا / گراں طبع صیاد اگر ہو گئی

تہِ دام ہم کو تڑپنا نہ تھا / یہ بھولے سے تقصیر پر ہو گئی

لگاؤ اگر ہو تو اتنا تو ہو — وہاں بات کی یاں خبر ہوگئی
کسی طرح سیدھی نہ ہم سے ہوئی — یہ قسمت بھی اُس کی نظر ہوگئی
کوئی پیش آتا ہے روزِ سیاہ — شبِ ہجر کی جو سحر ہوگئی
چھپایا بہت رازِ اُلفت ولے — وہ کافر ادا پردہ در ہوگئی
ہوا گو یہ برباد مشتِ غبار — صفائی تو اُن سے مگر ہوگئی
ہمیں تو نہیں اسقدر بھی ثبات — بہت دیر تجکو شرر ہوگئی
چلے آؤ گے بن بُلائے یہاں — کوئی آہ گر کارگر ہوگئی
شبِ وصل ہے یا رمِ برق ہے — ابھی شام تھی یا سحر ہوگئی
تم آنکھوں کو اتنا جھکاتے ہو کیوں — کہیں کیا کسی کی نظر ہوگئی

کہا حال اس ڈھب سے مجروح نے
کہ اُس شوخ کی چشم تر ہوگئی

تیرا چھوڑ کر جو کہ در جائیں گے — جئیں گے وہ کیا خاک مرجائیں گے
غضب ڈھائے گا اور بھی سادہ پن — وہ بگڑیں گے جتنے سنور جائیں گے
دکھاتے ہو کیا تیغ زہر آبگوں — ہم ایسے نہیں ہیں جو ڈر جائیں گے
نہیں کچھ یہ کھلتا کہ مانندِ موج — کدھر سے ہم آئے کدھر جائیں گے
بکھیڑا ہے کیا فرقتِ یار میں — نہیں بس چلے گا تو مرجائیں گے
وہ در ہے مقر مثلِ قبلہ نما — وہیں جا رہیں گے جدھر جائیں گے
ہمیں فکر خورشیدِ محشر نہیں — عرق میں خجالت کے تر جائیں گے

اُسی جوش پر ہیں بندھے اشک چشم
یہ دریا نہیں جو اُتر جائیں گے

مٹا کر محبت میں نام و نشاں
ہم عشاق ہیں نام کر جائیں گے

کوئی ہم نوا ہے نہ یاد آشیاں
جو چھوٹے بھی ہم تو کدھر جائیں گے

یہ اہلِ عدم میں ہے اور ہم میں فرق
گئے وہ تو ہم ٹھہر کر جائیں گے

نہیں کچھ وہ دادوستد کے کھرے
نہ دنیا اُنہیں دل مُکر جائیں گے

ہے بزم اُن کی مجروح کے برخلاف
پشیماں ہوں گے اگر جائیں گے

ہے نشاں یا کہ بے نشاں میں ہے
گفتگو آپ کے دہاں میں ہے

ہیں بلائیں ٹپک رہیں شاید
کوئی سوراخ آسماں میں ہے

برق کو ڈھونڈتے ہو کیا دیکھو
وہ پڑی میرے آشیاں میں ہے

پوچھتے ہیں وہ کس تعجب سے
کوئی ہم سا بھی کیا جہاں میں ہے

وہ کسی پر کھلا نہیں اب تک
جو کہ نکتہ ترے دہان میں ہے

دل پہ وہ چھا رہا ہے رنگِ چمن
موسمِ گل ہمیں خزاں میں ہے

انتظار اُس کا کر رہا ہے کام
دم کہاں جسمِ ناتواں میں ہے

رشکِ خلخال پر بہت ہے ولے
آپ کا پاؤں درمیاں میں ہے

جز غمِ مرگ دوستاں اے خضر
کیا دھرا عمرِ جاوداں میں ہے

ہے ہر اک چیز اصل پر راجع
خاک اس تیرہ خاکداں میں ہے

کیا کروں گر نہ دام میں جاؤں
دل ہی بیچین آشیاں میں ہے

تیغ سے اُس کی بچ گئے تو کیا
تیر دل دوز بھی کماں میں ہے

اور تجھے نہ ڈھونڈا اسے مالک
جبکہ یوسف ہی کارواں میں ہے

ہے زباں اُس کے وصف سے عاجز
لطف جو میرؔ کی زباں میں ہے

بات ہوتی نہیں لبوں سے جدا
کیا حلاوت ترے بیاں میں ہے

طرفہ وہ بے مکان ہے مجروحؔ
جس کا خواہاں ہر اک مکاں میں ہے

ہرزہ گردی ہیں بس وہ بت ہرجائی ہے
آج اللہ نے صورت ہمیں دکھلائی ہے

ہے شبِ ہجر میں اتنا ہی سہارا کافی
بدلے کھانے کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے

میرے اس وحشت پُر آشوب میں بچنا محال
حضرتِ خضر کو یاں موت مگر لائی ہے

شیخ میخانہ سے کیا کام ہے پینے تو فقط
طبع دو چار گھڑی آن کے بہلائی ہے

مہروش وعدۂ شب کرکے ہوا یہ غائب
کہ سحر شکل مجھے آن کے دکھلائی ہے

آن کا یاں میری عیادت کو تو آنا معلوم
ہاں مری موت تو لینے کو خبر آئی ہے

بادہ پیمائی ہوا عدا کو مبارک اُس سے
یاں تو قسمت میں لکھی بادیہ پیمائی ہے

کہتے ہیں غیر سے بیہودہ سرا ہے مجروحؔ
اُس کی باتوں پہ نہ جانا کہ وہ سودائی ہے

غیر بدظن سے یہ پنہاں ہی سہی
راز میرا ترا دہاں ہی سہی

چھٹ کے کعبہ ملا صنم خانہ
دل لگی سے غرض ہے یاں ہی سہی

کچھ تو خواہش میں چاہیے کاہش
گر نہیں فصلِ گل خزاں ہی سہی

رشک اُس پر بھی آہی جائیگا
پاس اُس کے مرا مکاں ہی سہی

روز سنتے ہو قصۂ حمزہ
آج تو میری داستاں ہی سہی

ہم تو ناکامیاب ہیں ہر طرح
آسماں اُس کا آستاں ہی سہی

ناز بیجا تو اُٹھ نہیں سکتے
غیر تیرا مزاجداں ہی سہی

چھیڑ ہوتی رہے شکایت کی
وہ نہیں ہے تو آسماں ہی سہی

دور چلنے سے گر تھکو مجروح
تو مکاں اپنا لامکاں ہی سہی

جمال شاہدِ مقصد کہیں دکھا ساقی
صراحی مے بےغش کو جلد لا ساقی

جہاں میں بزم نہیں میکدہ سے رنگیں تر
دھری شراب ہے بیٹھے ہیں جا بجا ساقی

یہاں تو اور کسی چیز سے نہیں مطلب
ہمارا جام تو مقصد ہے مدعا ساقی

ہوا ہے وا درِ میخانہ اور رندوں کی
ہر ایک سمت یہی دھوم ہے کہ لا ساقی

نہیں ہوئے ہیں حریفانِ بادہ کش بدمست
تو اپنی مست نگاہیں اُنہیں دکھا ساقی

یہاں ہے پیر مغاں سے ارادت ازلی
شراب خاص پئیں گے یہ دیکھنا ساقی

سوال بادہ کریں کیا کہ دیکھ کر تجھکو
ہمارے ہوش ہی رہتے نہیں بجا ساقی

ضرور یاں کسی میکش کی روح ہے موجود
جو خود بخود ترا ساغر چھلک گیا ساقی

نہ اسقدر رہو تنک ظرف دے کے جام شراب
تو مجھ سے میکشِ مفلس کی لے دعا ساقی

ہوائے سرد میں یہ سرد مہریاں تا چند
گلاس آتش سیال کا پلا ساقی

ہمارے دل کو ہے اُس بزم مختصر کی طلب
کہ جس میں مطرب رنگیں نوا ہو یا ساقی

یہ میکدہ بھی ہے اجماع نیسریں کی جا کہ آفتاب تو بادہ ہے مہ لقا ساقی
کبھی نہ جام چھلکتا ہوا ادھر لایا گلہ مدام یہ تجھ سے ہمیں رہا ساقی

نہیں ہے میکدے میں قدر شیخ ای مجروح
اُسے تو گالیاں دیتا ہے برملا ساقی

غزلیات تمام شد

خمسہ بر غزل قدسی رحمۃ اللہ

اے شہ کون و مکاں تو ہی وہ ذیشان نبی فخر کرتی ہے تری ذات پہ عالی نسبی
ورد اپنا یہ ہے اے ہاشمی و مطلبی مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پرتو مہر سے ہو جائے ہے عالم پُر نور کہتے ہیں خسرو خاور سے ہے یہ دستور
تیرے تابع ہے جہاں گرچہ بعنوان صدور ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

واقف اس بات سے ہیں خاص سے لیکر تا عام کہ ہوا دونوں جہاں کا تری باعث سے نظام
تو سحاب کرم و فیض ہوا اے فخر انام نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

روشنی میں مہ و خور کا ہے کہاں یہ عالم حسن میں یوسف و یعقوب کو بھی دیکھے کم

غرقۂ بحر تحیر بخدا ہوں اسدم
من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بو العجبی

اس طرح جسم میں کس شخص کے سایہ نہ ہوا
رتبۂ قرب یہ معراج کا ہے کس کو ملا
سر پہ یوں کس کے رہا ابر کا ہر دم سایا
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

کچھ عجب بند مصائب میں پھنسا ہوں ہیہات
تجھ سوا کس سے کہیں اے خضر راہِ نجات
ایک میں کیا کہ زمانہ ہی کے بد ہیں حالات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد میگذرد تشنہ لبی

اللہ اللہ رے گردوں دوئی توسنِ پاک
یوں نظر جیسے کہ آئینہ سے نکلے چالاک
جس کی تعریف میں درماندہ خیال و ادراک
شبِ معراج عروج تو گذشت از افلاک
بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

سر و را سہو و خطا سے ہے خمیر آدم
دل کو رہتا ہے اسی بات کا دن رات الم
بخشنا میرا گنہ تو ہے تشفیع عالم
نسبتے خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

نہ امیری کی ہے حسرت نہ تمنائے شہی
یاد میری بھی کہ مداح ہوں شاہا میں بھی
بلکہ ہے خواہش مجروح دل افگار یہی
سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

خمسہ بر غزل میر تقی صاحب میر

شب و روز ہی وصل منظور ہے
مگر سعی میں اس کی معذور ہے
یہ کیا اپنی خواہش سے مجبور ہے
کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے
زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

ملے وہ دوا جس کی ہو احتیاج
نہیں دل شکستن کا لیکن علاج
ذرا احتیاط اس کی رکھنا تم آج
دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج
گرا گر یہ شیشہ تو بس چور ہے

گرفتار الفت ہوا جب سے جی
خبر کچھ نہ دنیا و دیں کی رہی
یہاں کون سی بات میں کی کمی
تمنائے دل کے لئے جان دی
سلیقہ ہمارا بھی مشہور ہے

وہی آتش شوق ہے مشتعل
وہی شورش ذوق ہے متصل
نہ غیروں کو دیکھ اور نہ اپنوں سے مل
کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل
وہی بیقراری بدستور ہے

ہوا اشک خونیں کا یہ استلم
گئی موج خوں تا بہ چرخ نہم
ہماری تو ہے عقل اس جا پہ گم
کہو چشم خونبار کو چشم نم
خدا جانے کب کا یہ ناسور ہے

اسی کی طلب ہم کو ہے بار بار
نہ دل کو تسلی نہ جاں کو قرار

میں بیتاب اور وہ تغافل شعار | نہ ہو کس طرح فکر انجام کار
بھروسہ ہے جس پر وہ مغرور ہے

نہ مجروح ہی کچھ اُس سے ہے بہرہ گیر | سخن آپ کا سب کے ہے دلپذیر
نہ فرمائیے یہ عدیم النظیر | بہت سعی کیجے تو مر رہئے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

یہ دامِ محبت ہے وہ سخت گیر | بس اس کا تو مجروح ہے یہ اخیر
نہ اس میں سے چھوٹا ہوا جو اسیر | بہت سعی کیجے تو مر رہئے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

خمسہ بر غزل میر ممنون صاحب

اُس کے ہاتھوں تک رسائی ہو چکی | ختم سب رنگیں ادائی ہو چکی
رنجہ وہ نازک کلائی ہو چکی | بس حنا زور آزمائی ہو چکی
دلبروں سے ہاتھا پائی ہو چکی

عشق کی ہیں شدتیں دل میں بہت | ہیں ہوس کی جراتیں دل میں بہت
وصل کی ہیں لذتیں دل میں بہت | رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجے بس لڑائی ہو چکی

جو کہ ہے اک تند خو و کینہ کار | اُس سے میں یاری کا ہوں امیدوار
میری کیا گنتی وہاں اور کیا شمار | آئینہ سے جو کہ بگڑے بار بار

ھ میں تو خواہانِ وصل کا اور قربِ ترم | آپ وہ آتش ہو نہیں سکتے بہم
اور اس پر یہ ہوا تازہ ستم | آتشِ دل سے ہوا پہلو وہ گرم
اُس سے باہم سینہ سائی ہو چکی *

* آشیانہ سے نکل میں تیرہ بخت | ہو گیا بس دام ہی میں پائے بستہ
کیا سناؤں تم کو اپنی سرگذشت | بخت بد صیاد و غافل بند سخت
ہم اسیروں کی رہائی ہو چکی

اُس خود آرا سے صفائی ہو چکی

دیکھتا مجروح بھی تھا اے جناب
آپ کو مے سے بہت تھا اجتناب
اب خلافِ وضع ہے تقوے مآب
جرعۂ مے کے لئے یہ اضطراب
میسر ممنوں پارسائی ہو چکی

خمسہ بر غزل میرزا اسد اللہ خانصاحب غالبؔ

کام نخوت سے کچھ روا نہ ہوا
درِ حاجت کسی پہ وا نہ ہوا
کیا حقیقت کہوں کہ کیا نہ ہوا
درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

کیوں عبث جا کے اپنا سر ٹکرائیں
ناحق احسان کیوں کسی کا اُٹھائیں
اس سے جب آرزوئے دل ہی نہ پائیں
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
وہ ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

رکھتا لذت جو ہے دہانِ حبیب
شہد مصری کو وہ کہاں ہے نصیب
کیا کہوں بات ہے عجیب و غریب
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

اُس کی بخشش نے کی ذرا نہ کمی
کچھ تلافی پہ ہم سے ہو نہ سکی
کیا بڑی بات ہم نے کی ایسی
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فلک کی قسمت آزمانے کی
یہ سنو بات دل جلانے کی
یعنی اُس شوخ کو بلانے کی
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

دے خدا رحم ان حبیبوں کو
رنج دیتے ہو ہم غریبوں کو
کہ جلائیں نہ بد نصیبوں کو
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

جب سے عقل و تمیز آئی تھی
دمبدم عاجزی فزائی تھی
تیرے ہی در پہ جبہہ سائی تھی
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اُن کے جب بحرِ فکر بہتے ہیں
آپ کیوں طعن طنز سہتے ہیں
ہم تو مجروح غرق رہتے ہیں
کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

ایضاً

لا تقنطو نوید ہے اُم الکتاب میں
ہے عرض یہ جناب تقدس مآب میں
زاہد گناہ خلق ہیں وہاں کس حساب میں
کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

گو آرزوئے دید میں میں بیقرار ہوں
پر کچھ تو شغل چاہیئے بیکار کیوں رہوں
ہرگز وہ یاں نہ آئینگے میں گو طلب کروں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

شادی و غم کو عشق میں اک ارتباط ہے
ہے طرفہ حال اور نئی واردات ہے
اسمیں کبھی حیات ہے گاہے ممات ہے
میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے

جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

حکمِ خدا میں گو لب چون و چرا ہے بند
پر دل تو اس خیال سے رہتا ہے فکرمند
مالک ہے وہ حقیر کرے خواہ سربلند
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

ہمدرد تھے نہ بتِ خانہ خراب کے
آثار ہم سمجھ گئے ان کے عتاب کے
اوسان کھو دیئے دلِ بے صبر و تاب کے
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے

ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

اہلِ نظر سمجھتے ہیں عالم کا کیا وجود
ہر ایک کو نہیں خبر ہستی و بود
ہے اُس کی ذات پاک سے ہر چیز کی نمود
ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

میں لاکھ جان سے اپنی فدا اُس پہ ہوں مگر
ہے یار میرا دشمن آرام کسقدر
میری اذیتوں سے خوشی ہو وہ فتنہ گر
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر

آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

رکھتے ہیں گو نہاں وہ جمال نظارہ سوز
تکھ سکے ہے تا درست رہے روئے دلفروز
سامان زیب رہتا فراہم مگر ہے روز
آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز

پیش نظر ہے آئینہ دایم نقاب میں

تا ہو نہ اسکو میرے اٹھانے میں اہتمام
یاں توصفِ نعال میں رکھا سدا اہتمام
محفل میں اسکی ہم نے نہ رکھا کسی سے کام
مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

گہ شوخیاں جتا کے ملانا نگاہ کا
انداز دلبری سے جھکانا نگاہ کا
گہ شرمناک ہو کے پھرانا نگاہ کا
لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

جبتک کہ پھیر خاص مقدر ہی کا نہ جائے
اس بات کا یقین کوئی کس طرح سے لائے
بنتا نہیں ہے کام کوئی لاکھ گر بنائے
وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

مقدور تنگ توسعی میں یاں دست و پا ہلائے
یہ حال ہو تو خاک محبت کا لطف آئے
پر کیا کریں مراد ہی جب کوئی بر نہ آئے
وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

ملکِ عدم کے دیکھیے عازم پہ کیا بنے
پر جس میں بس ہی اپنا نہ ہو اسمیں کیا کرے
اس راہ میں ڈر بہت ہیں نشیب و فراز کے
رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

مجروح کو اس امر سے ہی خوب آگہی
بالکل ہی ترک مے ہو یہ ممکن نہیں ابھی
اب وہ نہیں ہی بادہ پرستی جو پہلے تھی
غالبؔ چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روز ابر و شبِ ماہتاب میں

خمسہ بر غزل حکیم مومن خاں صاحب

اسکی تو شوخیاں نہیں آتیں حساب میں
لیتا ہوں چٹکیاں دلِ حسرت مآب میں
یہ اور سنئے گرم وہ ہو کر عتاب میں
کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

بیتاب ہوں کے دُکھ جو دلِ زار نے سہے
ہے کس کی تاب کہ اُسے گوش زد کرے
تجھکو نہیں یقین تو خود آکے دیکھ لے
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

تاثیر بخش کچھ مرا جذبِ رسا ہو کاش
کچھ پاس عاشقی کا اُسے آگیا ہو کاش
سوچا ہے جو کہ دل نے وہ اُسنے کیا ہو کاش
دونو کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اُس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

غیروں پہ اُسکی فرطِ عنایت رہی رہی
بیگانگئ خو کی شکایت رہی رہی
بے وجہ روٹھنے کی حکایت رہی رہی
ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں

سامان خوشدلی کا فراہم کہاں کیا
کم ظرف دل نے وقت یونہیں رائیگاں کیا
جو کچھ گذر گیا تھا اُسے کیوں بیاں کیا
کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا
گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں

پنہاں نظر سے اپنی جو وہ فتنہ گر ہوا
یہ رنگ تو کچھ اور قیامت اثر ہوا
خوف و رجا میں اتنا زمانہ بسر ہوا
چین جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
کیسی کشود کار کشادِ نقاب میں

دل کو ملا نہ چین نہ آرام جان کو
اب دیر کیا ہے دور کر امن و امان کو
ہم سے تو دشمنی ہی رہی آسمان کو
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

گہ تاک جھانک دور سے آنا گہے قریں
اُن التفات خاص کا دھیان آگیا کہیں
جرأت وہ دستِ شوق کی اور یار شرمگیں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں

ایسا بتاؤ کونسا دنیا میں ہے مقام
ویران کیوں نہ برزن و بازار ہوں تمام
جس جا کہ اُس کے حسن کا شہرہ نہیں مدام
رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

گو یار کے ستم کو فزونی ہے دمبدم
ہوتی رہی سدا یہی ردّ و بدل بہم
پر یاں رہا وہی سرِ تسلیم اپنا خم
قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

فصلِ بہار آئی گیا موسمِ خزاں
فرماؤ زاہدو کہ میں ڈھونڈوں کہاں کہاں
اب بادہ نوشیوں کی یہ غل ہیں کہ الاماں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں نشاں
ہنگامۂ بہار و ہجومِ سحاب میں

گو خواہشِ وصال ہیں کی سعی بارہا
باقی کچھ اب نہیں ہے ادھر دیکھئے ذرا
تھے طالبِ محال نہ کچھ فائدہ ہوا
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں

افسردہ گو کہ رہتی ہے یہ خاطرِ نژند
حق گوئی سے زبان نہیں ہوتی کبھی ہے بند
پر راست بازیوں سے ہمیشہ ہی بہرہ مند
ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اسقدر غلطی انتخاب میں

آزار آسماں نے دیئے کسقدر ہمیں
امید کی تو شکل نہ آئی نظر ہمیں
پہنچا خیال نفع میں ہر دم ضرر ہمیں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

بدنام عشق میں ہوئے غیرت ڈبو چکے
یہ داغ تو لگا ہی بس اب اسکو دھو چکے
توقیر سب عزیز و اقارب کی کھو چکے
بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہِ بے حجاب میں

بہتر اس امر سے نہیں دنیا میں کوئی چیز
اس رمز کو وہ سمجھے جو ہو صاحبِ تمیز
ہو صحن باغ و ساقیٔ سیمیں بدن ہو نیز
فکرِ مآل سے مے و شاہد رہے عزیز
پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں

مجروح بھی ہے بیخود و ششدر دمِ وداع
پر یوں بھی بے حواس نہ ہو کر دمِ وداع
سچ ہے کہ موت سے بھی ہے بدتر دمِ وداع
ہیں ہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

ترجیع بند در وفات میرزا اسد اللہ خانصاحب غالبؔ مرحوم

کیوں نہ ویران ہو دیارِ سخن
مر گیا آج تاجدارِ سخن

بلبل خوش ترانۂ معنے
گلِ رنگیں و شاخسارِ سخن

نخل بندِ حدیقۂ مضموں
تازگی بخش لالہ زارِ سخن

عرصۂ نظم کیوں نہ ہو ویراں
ہے عناں کش وہ شہسوارِ سخن

کیوں نہ حرفوں کا ہو لباس سیاہ
ہے غمِ مرگ شہریارِ سخن

ساتھ ان کے گئی سخن سنجی
ان کا مرقد ہی ہے مزارِ سخن

آبیاری تھی جس سے وہ نہ رہا
اب خزاں ہو گئی بہارِ سخن

نغمہ پیرائیاں کہاں ویسی
اب یہ ہے نالہ ہائے زارِ سخن

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

شہد گویا بھرا دہاں میں تھا
کیا مزا آپ کے بیان میں تھا

وصف اُسکا بیاں سے باہر ہے
لطف جو طبع نکتہ داں میں تھا

ہند میں رہ کے رشکِ ایراں ہو
وصف حضرت کی جو زباں میں تھا

ہم تو خدمت میں آپکی خوش تھے
چرخ پر فکرِ امتحاں میں تھا

سر پہ سایہ یوہیں رہیگا سدا
دلِ ناداں اسی دھیان میں تھا

قدر انداز چرخ نے چھوڑا
جانستاں تیر جو کماں میں تھا

وہی گلچین مرگ نے توڑا
پھول یکتا جو گلستاں میں تھا
اُن کی روزِ وفات دہلی میں
یہی مذکور دوستاں میں تھا

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

تھے نظامی سے نظم میں ہمسر
فوق تھا نثر میں ظہوری پر
اُس کا ثانی کوئی نہ اِس کا نظیر
ایک سے ایک ہے غرض بہتر
کون تسکین فزائے خاطر ہو
سخت بے چین ہے دلِ مضطر
یار کرتے ہیں صبر کی تلقین
ظلم ہے جان ناشکیبا پر
آپ کے پاؤں تو نہ چلتے تھے
طے یہ راہِ دراز کی کیونکر
آتشِ غم کی ہے بھڑک ویسی
کام آئے نہ اپنے دیدۂ تر
اب تو دیدار کو دکھا دیجے
میرے نالوں سے ہے بپا محشر
کون سنتا ہے اب کسی کی بات
آجکل تو یہ شور ہے گھر گھر

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

اہلِ دہلی کی تھی بُری تقدیر
جو اُٹھایاں سے ایسا با توقیر
ایسے پھر صاحبِ کمال کہاں
ہے یہ فضل و ہنر کا دور اخیر
نظم اُردو سے ٹپکی پڑتی ہے
وہ جو ہے طرزِ خاص حضرتِ میر
اور دیوان فارسی اُن کا
فلکِ نظم کا ہے ماہِ منیر

غزلِ فارسی میں ہے جو شعر — ہے نظیری کی فکر کا وہ نظیر
اُن کی دوری میں دیکھ لے مجھ کو — جس نے دیکھی نہ غم کی ہو تصویر
اضطراب مدام بد ہے مگر — دل پہ قابو نہ ہو تو کیا تدبیر
باغ فضل و ہنر کو خالی دیکھ — نالہ زن یوں ہے بلبل دلگیر

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

اُن کی شفقت جو یاد آتی ہے — چشم دریائے خوں بہاتی ہے
کل نہ تھی جس جگہ کہ بے جائے — وہی جا اب تو کاٹے کھاتی ہے
یوں تو سنسان ہے مکاں سارا — آہ پر شور و غل مچاتی ہے
بیقراری کا زور مت پوچھو — صبر کی دھجیاں اُڑاتی ہے
کون آتا ہے بہر پرسشِ حال — ہاں غشی غم سے آتی جاتی ہے
اُن کی دوری میں ہے یہ بدمزگی — کہ نہیں زیست اپنی بھاتی ہے
یہ اُنہیں کا مزار ہے شاید — یاں سے کچھ بوئے اُلفت آتی ہے
کان دھر کر جدھر سے سنتے ہیں — یہ ندا آ کے غم بڑھاتی ہے

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

ایک جاں اور لاکھ کاہشِ غم — ایک دل اور ہزار رنج و الم
ہاں ذرا پڑا ہو چشم طوفاں ریز — آنسو آنے لگے ہیں کیوں تھم تھم

ہے ہر ایک شہر اور قریہ میں
اُس عدیم النظیر کا ماتم

روئے شادی کبھی نہ دیکھیں گے
اپنے حرمانِ جاوداں کی قسم

جس پہ گذرے وہی یہ جانتا ہے
غمِ ہجراں ہے کس غضب کا ستم

کہیں اس درد کا نہیں درماں
کہیں اس زخم کا نہیں مرہم

بد ہے دوری اگرچہ ہو دم بھر
زہر ہے زہر بیش ہو یا کم

مجھ سے پرساں ہے اس مصیبت کا
تجھ کو معلوم کیا نہیں ہمدم

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

جبکہ آنکھوں سے وہ نہاں ہو جائے
کیوں نہ دم سینہ میں سناں ہو جائے

چونک اُٹھیں خواب مرگ سے حضرت
اسقدر شور اے فغاں ہو جائے

بلبل باغ فضل ہے خاموش
چپ نہ کیوں مرغ صبح خواں ہو جائے

مہر معنی ہے خاک میں پنہاں
کیوں نہ تاریک سب جہاں ہو جائے

جوش میں خونِ دل سے ہاں اے غم
ریزش چشم خونفشاں ہو جائے

لب پہ رہتی ہے آہِ چرخ شکن
کہیں ٹکڑے نہ آسماں ہو جائے

نالہ ہو یا کہ آہ یا گریہ
آج ان سب کا امتحاں ہو جائے

یوں تو چپ بیٹھنا نہیں اچھا
دل پر درد کچھ بیاں ہو جائے

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

کون دیتا ہے یاں کسی کی داد — تم کئے جاؤ نالہ و فریاد
کیا شریفوں کی قدر ہو اسکو — آسماں جبکہ خود ہو سفلہ نہاد
اسکو ہے اپنی کجروی سے کام — کوئی برباد ہو کہ ہو آباد
کوئی اُستاد فن مرے تو مرے — ہے یہ جور و ستم میں خود اُستاد
انتقال جناب غالب نے — کر دیا خانۂ ادب برباد
ہائے جنگل میں اُسکی قبر بنی — کاخ معنی کی جو کہ تھا بنیاد
اسکو خضر رہ سخن سمجھو — ہے جو اُن کی زبان کا ارشاد
پوچھا یہ سانحہ جو یاروں نے — بولا مجروح بادل ناشاد

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

تھی جو اُن کے مزاج میں تہذیب — وہ جہاں میں نہیں کسیکو نصیب
ان سے دیکھا کبھی نہ فعل عبث — اس سے آگاہ ہیں سب بعید و قریب
صلح کل کا رکھا تھا وہ برتاؤ — تھے وہ دشمن کی بھی نظر میں حبیب
تھی نہ اک بات لطف سے خالی — یہ بھی اک بات تھی عجیب و غریب
گفتگو میں عجب فصاحت تھی — ہوتے تھے محو جس کو سُن کے ادیب
تھا ہر اک بات کا نیا انداز — ہر سخن کی تھی اک نئی ترکیب
خوش ہی جاتا تھا واں سے ہر غمگیں — تھے مگر آپ خوشدلی کے طبیب
اُن کا تابوت دیکھ با حسرت — یہی کہتا تھا ہر اسیر و غریب

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

اُن سا پیدا کہاں ہو گر سو بار
کھائے چکر یہ چرخ کجرفتار

تھی یہ مضمون کی دُرر ریزی
سلک گوہر تھی کلک جادو کار

اُن کی رنگینئ عبارت سے
صفحہ کاغذ کا ہے بہ از گلزار

اُس کلام بلیغ کو دیکھو
لفظ اندک میں معنئ بسیار

حلم طبع سلیم میں وہ تھا
چیونٹی کو نہ جس سے تھا آزار

غسل دیتے ہیں آؤ مشتاقو
دیکھو حضرت کا آخری دیدار

گرد تابوت تھا ہجوم کثیر
اہلِ ماتم میں تھی یہی گفتار

جو کہ جاتے تھے ہم رہِ تابوت
یہی کہتے تھے وہ پکار پکار

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

در مناقب حضرت علی مرتضیٰ علی التحیۃ والسلام

ہے قدیمی یہ ہر اک اہلِ ہنر کا دشمن
فتنہ ہر روز اُٹھاتا ہے نیا چرخِ کہن

وہیں صیاد جفا پیشہ کو حاضر کردے
زمزمہ سنجِ مسرت ہو جہاں مرغِ چمن

دیکھ سکتا نہیں یہ ایک شگفتہ خاطر
لائے گلچیں کو کھلا دیکھ کے نسرین و سمن

یہ تو خوبان پری وش کو بھی رکھتا ہے تنگ
اُنکی تنگی دہن میں ہو کسے جائے سخن

خانہ بربادی پہ جس شخص کی باندھے یہ کمر
ہو نہ وہ وادئ ایمن میں بھی جا کر ایمن

اسکی اک بات نہیں مکر و دغا سے خالی
دیکھ ہم قافیہ کرتا ہے جسمن کو یہ دمن

دہبتہ یہ ایک نہ ایک اسکو لگا تا ہو اگر
حسن پر ناز کرے ماہرخ سیمیں تن

ہو گئی مہر و محبت یہ جہاں سے مفقود
کیا عجب خط میں نہ لکھے جو کوئی مشفق من

اس میں کس طرح رکھے کوئی خوشی کی اُمید
نام اوّل ہی سے جسکا ہو رکھا دار محن

دور میں اس کے نہیں چین کسی کو ملتا
ہاں اگر کسی شخص کو مل جائے تو ملجائے کفن

بد سے یہ نیک سے، اور نیک سے بد ہے ظالم
اس زمانہ کا تو ہر اک سے نرالا ہے چلن

بسکہ یاروں میں ہے بیگانہ مزاجی کا اثر
بر تر از شام غریبی ہے مجھے صبح وطن

کیوں زمانہ کا نہ ہو دست ستم مجھ پہ دراز
مجھ میں اور اس میں ہمیشہ سے رہی ہے اَن بن

ظلم کی اسکے وہاں جاکے کرونگا فریاد
جس کا دروازہ ہے آفت زدگاں کا مسکن

کون وہ نور خدا یعنے علی اعلےٰ
سالک راہِ یقیں مالک دیں شاہ زمن

کاشفِ سرّ ازل واقفِ ادیان و ملل
مظہر عزّ و علا زہد و ورع کا معدن

گوہر دُرج شرف اختر برج رفعت
مسکن جود و سخا لطف عطا کا مخزن

مدح حاضر میں لکھوں مطلع رنگیں ایسا
چُپ رہیں سُنکے جسے زمزمہ سنجان چمن

سعی کا جس کے ہو مشکور خداوند زمن
کون جز ذات مبارک ہے تہ چرخ کہن

آسماں بھی ہے ترا تابع فرماں مولا
رجعت مہر کا ہونا ہے ہر اک پر روشن

شمع ساں کیوں نہیں اس روضہ میں ہر شب جلتا
روز خورشید کو رہتی ہے اسی کی تو جلن

اُن کے نزدیک ہے مردہ کا جِلانا اک بات
معجزہ اُنکی ہے گفتار و کرامت ہے سخن

اک نظر سے وہ کریں خاک کو اکسیر اثر
سنگ ریزوں کو جو چاہیں تو بنے دُرِّ عدن

واں کی بخشش کا بھلا کیونکہ محاسب ہو کوئی
کہ جہاں زر کی ہو نہ قدر بقدر ارزن

اللہ اللہ وہ حضرت کے سخن ہائے بلیغ
سامنے جس کے زبانِ فصحا ہے الکن

ہو تری بحرِ ہدایت کی روانی جسدم
اہلِ زنار سے ہو جائے وہیں ترکِ وثن

طے کیا آپنے یہ مرحلہ کس خوبی سے
رہِ تسلیم و رضا جو کہ نہایت ہے کٹھن

جو کہ ہیں سرور و سردار جوانانِ بہشت
وہ تو حضرت ہی کے بیٹے ہیں حسین اور حسن

حکم وہ مانع آزارِ ضعیفان ہوا
بہرِ کنجشک نہ ہو باز کا پھر باز دہن

ہے یقیں آپ کے زور اسد اللٰہی سے
ہو شکستہ درِ خیبر کی طرح چرخِ کہن

آتشِ مہر سے ہو موم کی مانند وہ نرم
فی المثل آپکا دشمن ہو اگر روئیں تن

سامنے آپکے رستم کو ہو دہشت غالب
ہاتھ سے چھوٹ پڑے تیغ یہ لرزاں ہو بدن

درِ خیبر تو ہے کیا قلعہ آہن گر جائے
ہو ترا نالۂ تکبیر اگر قلعہ شکن

احمد و حیدر و حسنین و جنابِ زہرا
افضل و بہتر عالم ہیں یہی پانچوں تن

ان کی ہی ذات مبارک ہو شفیع عالم
پردہ پوش اہلِ خطا کا ہو انہیں کا دامن

زندگی میں جسے جنت میں ہو رہنا منظور
وہ نجف میں کرے آرام سے اپنا مسکن

مدح ہو سکتی ہے ممدوحِ خدا سی کسکی
اب دعائے شہِ والا پہ کیا ختم سخن

تیرا اے ابرِ کرم اُسکی طرف ہو جو گذر
رشکِ گلشن ہو وہیں فیضِ قدم سے گلخن

آپ کے دوست کا ہو پایۂ رفعت عالی
اور عدو کے لئے تیار رہے دار و رسن

رباعیات

جو ہے سو پست سب سے عالی تو ہے — شایان صفاتِ ذوالجلالی تو ہے
ناقص سے ہے ہر اک کمال تیرے آگے — سب کو ہے زوال لایزالی تو ہے

ایضاً

ہاں مہر کے آگے نجم رخشاں کیا ہیں — اور بحر میں قطرہ ہائے باراں کیا ہیں
اللہ کی بخشش فراواں کے حضور — بندہ کے قلیل سے یہ عصیاں کیا ہیں

ایضاً

یارب تو گناہوں کو چھپانا میرے — اس حالِ زبوں پہ رحم کھانا میرے
محشر میں نہ ہوگی منہ دکھانے کی جگہ — جو میں نے کیا نہ منہ پہ لانا میرے

ایضاً

میں خاک تھا آدمی بنایا تو نے — اور عیب معاصی کو چھپایا تو نے
کیا شکر ادا کروں کرم کا تیرے — اس کاہ کو کوہ کر دکھایا تو نے

ایضاً

مجکو تو شب و روز کہانی ہے تری — اور رحم کی داستان سنانی ہے تری
مستوجب نار ہوں خطا کے باعث — گر عفو کرے تو مہربانی ہے تری

ایضاً

سب چلنے کو تیار ہیں قایم تو ہے — فانی ہے ہر اک اور دائم تو ہے

عصیاں ہیں کئے امید بخشش پہ تری	بے عذر کے بخشنا کہ راحم تو ہے
ایضاً	
رہبان کا قیس کا محبوب ہے تو	اور برہمن و شیخ کا مرغوب ہے تو
ہوں اہل کنشت یا کہ اہل مسجد	ہر رنگ کے طالبوں کا مطلوب ہے تو
ایضاً	
موقوف ہے تجھ پہ دادخواہی میری	حرمت رکھیو الٰہی میری
ہے تیری ہی ابر مکرمت سے اُمید	دھو دیگا یہی نامہ سیاہی میری
ایضاً	
اسباب ہیں ایسے کہ پراگندہ ہوں	اور شرم معاصی سے سرافگندہ ہوں
یا ارحم راحمین کرم کی ہو نگاہ	گو غرق گنہ ہوں پر ترا بندہ ہوں
ایضاً	
کامل جو ہوئے ہیں اُن میں اکمل وہ ہے	فاضل ہیں رسول لیک افضل وہ ہے
تھا اُس کا ظہور نور پیش از آدمؑ	آخر جو ہوا ہے سب کے اوّل وہ ہے
ایضاً	
واصف ترا اے صاحب معراج ہوں میں	کیوں مدح سرا اُنکا نہ سرتاج ہوں میں
کیا حال کروں عرض ہے اتنا کافی	جتنے کہ سخی ہیں آپ محتاج ہوں میں
ایضاً	
درگاہ امام انس و جاں کو دیکھا	اور طوف کناں وہاں جہاں کو دیکھا

کی ہم نے زیارت ضریح اقدس　　تو آج زمیں پہ آسماں کو دیکھا

ایضاً

افسوس ہیں جفا کے بانی پانی　　اور پائے نہ فاطمہ کا جانی پانی
اللہ رے تشنگی شاہ مظلوم　　تھا ذبح کے وقت لب پہ پانی پانی

ایضاً

بچوں کو تھا یہ ضعف کہ رویا نہ گیا　　اور غلبۂ تشنگی سے سویا نہ گیا
پانی پہ لب تشنہ کی نہ ترکرنے کا　　دھبہ وہ لگا ہے کہ جو دھویا نہ گیا

ایضاً

ہے ظلم یزید کی زمانے میں دھوم　　اور صبر حسینؑ بھی ہے سب کو معلوم
القصہ جہان کے ابتدا سے اب تک　　ایسا ظالم ہوا نہ ایسا مظلوم

ایضاً

گو گردش دہر سے پراگندہ ہوں　　اور فکر مآل سے سرافگندہ ہوں
پر غم نہیں دارین کے جو ہیں مختار　　اُن بارہ امیروں کا میں اک بندہ ہوں

ایضاً

جو نخل ہو خشک اُس کا پھلنا کیا ہے　　دُنیا ہی نہیں تو کارِ دنیا کیا ہے
پیدا ہوا گر کوئی تو ناپید کوئی　　ہوتا دن رات یہ تماشا کیا ہے

ایضاً

دم بھر نہیں چین آہ و زاری یہ ہے　　کھلتی نہیں آنکھ اشکباری یہ ہے

جان جائے تو جائے ہیں نہ جاؤنگی کبھی
ہم سے تو قرار بیقراری یہ ہے

ایضاً

کس مرتبہ تیز ہے نگہ کی تلوار
دو کرتی ہے آدمی کو ہوتے ہی دو چار
اس چشم بغیر اور دیکھا ہی نہیں
بیمار جو کردے دوسرے کو بیمار

ایضاً

غیروں کے گھروں میں آنا جانا کیا ہے
عاشق کو نہ پوچھنا زمانہ کیا ہے
ہر ایک سے ہے خوشدلی کی پرسش
مجھ سے بھی تو پوچھئے تمنا کیا ہے

ایضاً

نخل ہوس و طمع کی اک شاخ ہوں میں
جسکی کہ بنا سست ہے وہ کاخ ہوں میں
ہر چند ندائے لن ترانی ہے بلند
چپ اس پہ نہیں ہوں کتنا گستاخ ہوں میں

ایضاً

گو پختہ میں سب جہان کے کاموں میں ہوں
پر دین کے معاملہ میں خاموں میں ہوں
پوچھیں گے جو حشر میں تو کہدونگا یہی
میں آل رسول کے غلاموں میں ہوں

ایضاً

گاہے تو طریق حق پہ چلتا ہوں میں
گہ صورت خوب پر پھسلتا ہوں میں
ہوں گامزن رہ حیات لیکن اسطرح
گرتا ہوں کبھی کبھی سنبھلتا ہوں میں

ایضاً

تحقیق کیا سب کو نہ چھوڑا کچھ بھی
پر دل پہ اثر ہوا نہ اصلا کچھ بھی

آئینہ خانۂ جہاں میں ہم نے — سب کچھ دیکھا مگر نہ دیکھا کچھ بھی

ایضاً

کہتے ہیں کہ بس طالبِ زر ہیں ہم تو — ہر ایک کے منظورِ نظر رہیں ہم تو
میں نے کہا دلبر ہو تو بوسہ بھی دو — ہنسکر بولے کہ مفت بر ہیں ہم تو

ایضاً

چلنے کا تو ہو گیا بہانہ تم کو — فتنہ ہے ہر ایک طرح اُٹھانا تم کو
جاتے ہو عدو کے ساتھ آگے سے مرے — بے آگ کے آگیا جلانا تم کو

ایضاً

کھویا دنیا سے بدشعاری نے مجھے — شرمندہ کیا گناہگاری نے مجھے
ہوں غوطہ زناں بحرِ خجالت میں سدا — کچھ پاک کیا ہے شرمساری نے مجھے

ایضاً

زوروں پہ ہے روز ناتوانی میری — بدتر پیری سے ہے جوانی میری
دنیا میں پھنسا دیا عدم سے لاکر — گذری زنداں میں زندگانی میری

ایضاً

کیا وضع تواضع نے سنواری میری — ہے قابلِ دید نغزکاری میری
کی جھک کے ہر اک سے سربلندی حاصل — ہے گنجِ مراد خاکساری میری

ایضاً

محبوبِ جہاں تم کو کہا جاتا ہے — حق کا کلمہ زبان پہ آجاتا ہے

سر و تن پہ مجروح کے ہر زماں
تمہارے ولا کا رہے سائباں

تاریخ دیوان غالب

زغم بسکہ آشفتہ ساماں شدم
چو زلفِ مسلسل پریشاں شدم

بسرگشتگی شد چنانم مدار
کہ گردم ندا اندرہ کوئے یار

بصد درد و غم مبتلا میکند
ستم پیشہ گردوں چہا میکند

نہ در دل قرار و نہ در سینہ تاب
چو طایر ز چشمم پریدست خواب

بباغ اندر آیم اگر در بہار
پریشاں شوم از نوائے ہزار

غم افسردہ درہم سراپائے من
دریغ از دلِ حسرت آلائے من

شکر ہیچو سم زہر بود ناگوار
بمیرم برایں عمر ناخوش گزار

ازیں اشک رخسارہ فرسائے من
فرو ریخت چوں شمع اجزائے من

بلے جوششِ ابر سیلاب ریز
کند خانۂ کہنہ را ریز ریز

فلک تا بکجا خستہ دل داریم
حذر کن ازیں خاطر آزاریم

میفزائے غمہائے دیرینہ را
ببیں سینۂ درد گنجینہ را

فغاں سنج بودم بدیں گونہ دوش
کہ ناگہ بمن گفت فرخ سروش

کہ غمگین و آزردہ چندیں مباش
چہ افسردۂ ہیچ شغلے تراش

فرو خواں و برگیر آں نامہ را
کہ وصفش گہر زا کند خامہ را

درین روزگار سعادت قرین — شد اتمام آن نسخهٔ دلنشین
چه خوش کرده کلک فصاحت نشاں — چمن بندیٔ گلشن بے خزاں
بہ نظمش نظر ہر کس انداختہ — کہن نامہا را پس انداختہ
براوج خرد ماہ نو تافتہ — ریاض سخن سرو نو یافتہ
فصاحت ازو پایۂ خود فزود — بلاغت بہ دو چشم روشن نمود
چو آں نامۂ مغز دریافتم — زباغ ارم تازہ تر یافتم
ز بیندگاں میربایدشکیب — کہ دیدہ چنیں نقشِ مانی فریب
چناں کاخ معنی سرافراختہ — کہ مرغِ تصور پر انداختہ
ایا اے خردمند پالودہ مغز — بیا و ببیں ایں سخنہائے نغز
طلسم معانی است ایں کارگاہ — نیابد دریں پیک اندیشہ را
بہر جا کہ ذکر مے و ساغر است — تو گوئی رواں موج از کوثر است
چنانش اثر مے پرستی کند — کہ بینندہ بے بادہ مستی کند
عناں خرد را زِکف دادۂ — اگر مرد دانا و آزادۂ
ببیں ایں سخنہائے نایاب را — کہ از سینہ بیروں برد تاب را
ز جوشِ صفا گشتہ آئینہ زار — ازو عکس معنی شود آشکار
کجا نظم انجم بدیں ہمسر است — مرا ایں نظم را پایۂ دیگر است
بجاں ہر کس ایں نظم را طالب است — مگر ناظمش حضرتِ غالب است
زہے غالب آں صاحب عقل و رائی — فراست فزائے غوہش کشائی

خجسته صفات و فرشته سرشت	بخوئی خوش خویش خرم بهشت
خرد کرده زین گونه بادی خطاب	که ای چرخ اندیشه را آفتاب
نبوده بدین سان عیار سخن	تو افزودهٔ اعتبار سخن
چه سر برزد از طبع سحر آفرین	کلام متین نسخهٔ دلنشین
ازان بسته شد با تو پیمان علم	که ظاهر شود بر همه شان علم
اگر مرغ معنی است عرش آشیان	کند تیر فکرت همان جا نشان
تو قفل خرد را کلید آمدی	نه آسان درین جا پدید آمدی
چو شیوا بیانان رنگین خیال	ترنم سرایان شیرین مقال
بهم گشته یکجا خرامان شوند	براه سخن گرم جولان شوند
بمانند گم کرده ره اندران	نیابند هرگز ز منزل نشان
چو کلک تو خضر ره شان شود	درازی منزل بپایان شود
زهی خوان معنی که بنهادهٔ	برو عالم را صلا دادهٔ
نظیری ازو زله برداشته	ظهوری بر آن خوان نظر داشته
ز وحدت کسانیکه دم میزنند	براه حقیقت قدم میزنند
بیانید نزدیک این حق گزین	بخوانند اسرار علم و یقین
می وحدت حق چنان نوش کرد	که از ماسوا الله فراموش کرد
ازان می که او زان سبو باکشید	ز یک جرعه اش مست شد بایزید
ز حکمت بجائیکه سر کرده حرف	نبشته بسی نکته های شگرف

چناں راز سربستہ اش راکشاد | کہ روح فلاطوں شود شاد و شاد
ارسطو رست طفل دبستان او | شدہ عقل اوّل ثناخوان او
نہ مدحت گری چوں منی راسزاست | اگر انوری میکند خود بجا است
مس ہستیم را طلا مے کند | ببیں چشم فیضش چہا مے کند
زہر سو مرا چشم دل سوئے اوست | کہ ایں ذرہ را آفتاب آرزوست
خرد گر ز وصفش سخن گستر است | حباب تنک روکش صرصر است
چناں بگذرم اندریں راہ تنگ | رہ انجامہا پائے آمد بسنگ
نشد چوں رہِ وصف پایاں پذیر | ستوہ آمدم اندراں ناگزیر
سپش چوں بتاریخ پرداختم | بدیں بیت خاطر نشاں ساختم
کہ اے شاہد راز را نقش بند | بگو نظم سنجیدہ و دلپسند
ز سازندۂ نقش خورشید و ماہ | طرازندۂ ایں کہن کارگاہ
دعائیم ہمیں است صبح و مسا | کہ ایں نسخۂ نغز و دانش فزا

براوج سخن ماہ تابندہ باد
فروزندۂ چشم بینندہ باد

قطعہ در مدح حکیم عبدالمجید خانصاحب

ہیں جو عبدالمجید خاں صاحب | خان ذیشاں حکیم لاثانی
وہ کہ بقراط سامنے جن کے | طے کرے زانوئے سبق خوانی

وہ کہ جن کو معلم اوّل
خط میں القاب لکھے لاثانی

وہ کہ دانش میں جسکو عقل نخست
اپنا سمجھے ہے ہمدم جانی

سبد فیض نے عنایت سے
ذہن عالی کیا ہے ارزانی

عقل فعال کی مدد ہے کہ ہے
عقل و دانش کی یہ فراوانی

وہ دقایق اصول حکمت کے
ہو فلاطون کو جن میں حیرانی

طبع درّاک ان کی اکدم میں
حل اُنہیں کرتی ہے بآسانی

ہیں جو گذرے اجلہ حکما
اُس میں اکثر ہوئے ہیں یونانی

ان کی اب ہند میں یہ دھوم ہوئی
جس سے یونان پر پھرا پانی

ہوتا ہر عہد میں ہے اک کامل
اب یہی ہیں حکیم گیلانی

عرض سنبل پئے مداوا ہے
اسکو پیچش سے ہے پریشانی

علم و حلم و تواضع و اخلاق
ان سبھوں میں ہیں آپ لاثانی

کیوں توجہ نہ ہو ضعیفوں پر
ذرّہ میں مہر سے ہے رخشانی

دے کے مفلس کو شربت دینار
دفع کرتے ہیں درد روحانی

سب مریضان حاضرین مطب
ہیں سبق خوان طب احسانی

سامنے بیٹھتا ہے چپ آکر
شیخ نے قدر اُن کی پہچانی

میں پھر ایسے طبیب حاذق سی
کیوں نہ رکھوں امید درمانی

اب مرا حال زار بھی سنئے
ضعف کی ہوگئی فراوانی

میرا معدہ ہے جو کہ شہر بدن
اُس کا بگڑا ریاح سے پانی

کیجے تدبیر نہر تا جلدی / کم ہو بحرِ مرض کی طغیانی
تقویت بخش قلب دیجے دوا / تا رہے قوتِ ثنا خوانی

قطعہ دیگر عطیہ خطاب از جانب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند

ہیں عبد مجید خان ذیشاں / حکمت کے فنوں میں لائقِ ملک
ہے اُنکا رویہ راستبازی / زیبا ہے جو کہئیے صادقِ ملک
دربارِ شہی سے اب اُنہوں نے / پایا ہے خطاب حاذقِ ملک
جو کچھ اُنہیں کہئیے وہ بجا ہے / ہیں علم و ہنر میں فایقِ ملک
ہے سالِ خطاب کی یہ تاریخ / بقراطِ زماں و حاذقِ ملک
سنہ ۱۳۱۰ھ

تاریخ وفات میر اشرف علیصاحب

میر اشرف علی دہلی زاد / در بنارس ز ہیضہ جامہ گذاشت
چونکہ در غربت انتقال نمود / شد غریب الوطن سنینِ وفات
سنہ ۱۳۰ھ

قطعہ مسجد نرور علاقہ گوالیار

بشیر الدین احمد خاں کہ دارند / طریق زہد و تقویٰ در جوانی
بنا کردند ایں مسجد بہ نرور / سہ دکاں وقف آں کردند آنی
بگو مجروح تاریخش برآید / دوبارہ کعبۂ ثانی بخوانی
سنہ ۱۳۱۶ھ

تاریخ وفات فخر الدین خانصاحب

خان والا نژاد فخر الدین | کوز مردن نداشت پروائے
سال رحلت بگفت ہاتف غیب
اے ترا خلد باد ماوائے
سنہ ۱۳۱۱ھ

تاریخ مسجد تعمیر کردہ جناب حکیم سلیم خانصاحب المتخلص بہ خستہ جیپوری

خان ذیشان و حکیم بے بدل | ہیں وہ حضرت حجستہ جم مرتبا
ذہن اُن کا جوہر دانش فروز | فہم اُن کا گوہر بینش فزا
بات اُنکی شارح علم ادب | ذات اُنکی مصدر جود و سخا
اُنکی طینت مبدع عقل و خرد | اُن کی فطرت پایۂ فہم و ذکا
پائے صحت آئے گو کیسا سقیم | اُن کا دروازہ ہے یا دار الشفا
ہے یہاں درکار اک نسخہ نویس | ڈھونڈیئے کس کو ارسطو کے سوا
حاذقی میں کب کوئی انکا نظیر | کس کو کہتے ہیں فلاطون دوسرا
اُس کے نسخوں سے مرے اکثر مریض | یاں ادھر آیا اُدھر اچھا ہوا
بسکہ جویا ہے طبیعت خیر کی | کچھ نہیں ہے کام نیکی کے سوا
طبع والا کو جو ان ایام میں | شوق کچھ تعمیر مسجد کا ہوا
جس کی خوبی و لطافت دیکھکر | کہتے ہیں کہ تو بیاں صل علیٰ

اہلِ حاجت دیکھ آثار اثر
شب کو اندیشہ میں مجکو دیکھ کر

کعبہ سے آئے یہاں بہرِ دعا
ہاتفِ غیبی نے یہ مجھ سے کہا

فکر ہے تاریخ مسجد کی اگر
کہہ۔ عبادت خانۂ عالی بنا ۱۲

تاریخ وفات جناب مولوی سلیم الدین خانصاحب نارنولی

فاضلِ یکتا سلیم داشتہ قربت بدیں
چونکہ وحیدِ زماں بود در اکثر علوم

حیف کہ او زین جہاں رفت بسوئے عدم
منتخبِ دہر شد سال وفاتش رقم ۱۳۰۱ھ

قطعہ تاریخ دیوان میرزا مضطر صاحب

مضطرِ عالی ہمم کا ہے عجب رنگیں کلام
سال اُس کے طبعِ دیواں کا یہ ہاتف نے کہا

لعل کو بھی جس کی رنگینی سے ہے ہم سنگی نہیں
نظمِ رنگیں دیکھ جسمیں پائے بے رنگی نہیں ۱۳۱۰ھ

قطعہ تاریخ دیوان جناب نواب احمد علی خانصاحب بہادر برادر نواب وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک

طبعِ نواب سخن سنج ہمایوں فطرت
کون وہ شاعرِ بے مثل جنابِ رونق
راہ مضمون و مضامین کے ہوئی ہیں رہبر

فلکِ نظم پہ ہے مہرِ پر انوارِ سخن
جس کے ہے صوت قلم بلبلِ گلزارِ سخن
کیوں نہ آسان ہو اب منزلِ دشوارِ سخن

رتبہ ہر ایک نے آپس میں ہے پہچان لیا
اُسکا خواہاں ہے سخن وہ ہی طلبگارِ سخن

علم و حکمت کی ہے وہ ذات مبارک نقطہ
گرد کیوں اُس کے نہ پھرتی ہو پرکارِ سخن

ہو سر افراختہ کس طرح نہ قصرِ معنی
جبکہ وہ فکر رسا خود رہے معمارِ سخن

اک نظر ہی میں پرکھتا ہو کھرے کھوٹے کو
اُسکا ذہن خرد اندیش ہے معیارِ سخن

آبیاری سے مدد دیتی ہے وہ طبع لطیف
سبز و شاداب نہ کیونکر ہو چمن زارِ سخن

کر دے بیہوش حریفان سبو کش کو ابھی
جرعہ افشاں ہو اگر ساغرِ سرشارِ سخن

سچ تو یہ ہے کہ بجز ذات معلےٰ القاب
اس زمانے میں نہیں کوئی خریدارِ سخن

شور ایسا ہے کلام نمکیں کا کہ جسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر جا پہ طلبگارِ سخن

دیکھلے آپکا دیوان فصاحت عنواں
جس نے دیکھا نہ ہو گنجینۂ اسرارِ سخن

شعر رنگیں ہے یا معدن لعل و یاقوت
سطر ہے یا کہ ہے سلک دُرِ شہوارِ سخن

باغِ اشعار میں گُلہائے معانی دیکھو
چمن نظم میں پھولا ہے سمن زارِ سخن

دیکھ اشعار دل آویز کی شیرینی کو
آفریں سنج ہوئے لعل شکر بارِ سخن

آگے اس نظم کے ہے لال زبانِ فصحا
کس کو قدرت ہو کہ آئے پئے اظہارِ سخن

اس کے حرفوں کے خم و پیچ کا انداز تو دیکھ
رُخِ قرطاس پہ ہے کاکلِ خمدارِ سخن

طبع دیوان کی اس واسطے سوجھی تدبیر
تا کہ اس دہر میں باقی رہے آثارِ سخن

چھپ کے تیار جو وہ نسخۂ نایاب ہوا
دل سے خواہاں ہوا ہر ایک خریدارِ سخن

دیکھ مجروح نے اس نظم گراں مایہ کو
کہی تاریخ یہ ہے رونقِ بازارِ سخن
۱۳۰۷ھ

قطعہ در تہنیت تولد فرزند ارجمند مہاراجہ منگل سنگھ صاحب بہادر والی الور

یہ دن بھی ہے عجب روزِ مبارک / کہ عشرت سنج ہر فردِ بشر ہے
یہ ہے جوشِ طرب انسان تو کیا / خوشی سے وجد میں دیوار و در ہے
نوا سنجِ چمن ہے مرغِ گلشن / چمن میں شاہدِ گل جلوہ گر ہے
حریفِ بادہ کش پیرِ مغاں سے / طلبگارِ مئے پر شور و شر ہے
مغاں کہتا ہے اُس سے یہ ہنسی سے / کہ کل آنا تجھے خواہش اگر ہے
وہ کہتا ہے کہ اے پیرِ طریقت / کسے اتنا بھروسہ زیست پر ہے
نہیں آزاد کرتے فکرِ فردا / پلا دے آج ہی مے جسقدر ہے
تجھے یہ بھی نہیں معلوم شاید / کہ یہ دن کسقدر فرحت اثر ہے
ہوا اختر وہ طالع جس کا پرتو / ضیا بخشِ رخِ شمس و قمر ہے
وہ آرامِ دل و آسائشِ جاں / وہ نورِ دیدہ و لختِ جگر ہے
وہ نخلِ نو رسِ گلزارِ حشمت / وہ بحرِ فیض کا روشن گہر ہے
نہ کیوں اُس کے تولد کی ہو یہ دھوم / وہ کس ذیقدر کا نورِ نظر ہے
مہاراجہ وہ منگل سنگھ صاحب / جہاں میں مشتہر جو نامور ہے
وہ ذی سطوت کہ جنسیت کے باعث / جلالت بخش افرادِ بشر ہے
وہ عالی شان کہ والا پائگی میں / سکندر منزلت قیصر اثر ہے
اگرچہ انقلابِ آسماں سے / ہر اک شے کی گرانی بیشتر ہے

مگر دست عطا بخشِ مہاراج
ہوا گنجینۂ افشاں اِس قدر ہے
ذرا تم شہر الور کو تو دیکھو
کہ ارزاں سب سے نرخِ سیم و زر ہے
وہ یکتا اشجع و باذل ہے ایسا
کہ جس کا حاتم و رستم کو ڈر ہے
ہے اُس کے عہد میں امن و اماں عام
ملازم خوش رعیت بے خطر ہے
کھلے دروازے سوتا ہے ہر اک شخص
نگہباں انتظامِ دادگر ہے
نہیں ہے طاقتِ مدحت طرازی
دعا پر یہ کلام اب مختصر ہے

مبارک ہو مہاراجہ یہ یارب
یہ شادی جس کا اتنا کرّ و فر ہے

تاریخ وفات جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب بہادر متخلص بہ نیّر

شہر دہلی کو تفوق تھا انہیں باتوں سے
کہ نظر آتے تھے ہر فن کے یہاں اہلِ کمال
محفلِ شعر کی تھی صدر نشینوں میں یہی
غالبِ سحر بیاں شیفتۂ نغز مقال
مولوی علوی صہبائی و ذوق و مومن
اُن میں ہر ایک سخن سنج تھا بے مثل مثال
تھوڑے ہی عرصہ میں ویرانکدۂ دنیا سے
راہئے ملکِ عدم ہو گئے یہ نیک خصال
ان میں سے ایک یہ تھے حضرتِ نیّر باقی
آہ ان کے بھی لئے آ گیا پیغامِ زوال
بادہ پیمائی اجل ہو گئے سرمستِ سخن
اب نہ وہ بزم نہ وہ ساقیِ خورشید جمال
میکدہ ہو گیا سنسان پڑے ہیں ہر سو
ٹوٹے پھوٹے کہیں ساغر تو کہیں جامِ سفال
اب وہ باقی نہ رہی رونقِ شہرِ دہلی ۱۳۰۲ھ
پھر تاریخ یہ کیا خوب ہے ہاتف کا مقال

قطعہ تاریخ انتقال مرزا غالب

کل حسرت و افسوس میں میں با دلِ محزوں
تھا تربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح
ہاتف نے کہا گنجِ معانی ہے تہِ خاک
۱۲۸۵ھ

تاریخ تزویج حکیم محمد رشید خانصاحب خلف حکیم غلام نبی خانصاحب

آں خانِ عالی منزلت عبدالرشید محترم
مبدارد و در فنِ طب از ہمسر خود برتری
چوں شد دریں ایام ہا تزویج آں والا ہمم
تاریخ آں گفتہ خرد اجماع مہر و مشتری

قطعہ تاریخ باغ حاذق الملک جناب حکیم عبدالمجید خانصاحب

واہ کیا باغ ہے یہ باغ کہ جسمیں شب و روز
تازگی رہتی ہے بدلی کی طرح چھائی ہوئی
تعمیہ سے کہی مجروح نے اسکی تاریخ
باغِ محمود میں ہے بادِ بہار آئی ہوئی

قطعہ تاریخ دیوان سید ظہیرالدین صاحب المتخلص بہ ظہیر دہلوی

سخن سنج یکتا جنابِ ظہیر
کہ ہے ذات اُن کی امانِ سخن
فصیح اللسان و عدیم النظیر
فزایندہ عز و شانِ سخن
دقائق کشا ہے وہ طبعِ سلیم
نہ ہو کیونکہ ظاہر نہانِ سخن
وہ دیوان رنگیں میں ہے ہر غزل
زمیں جس کی ہے آسمانِ سخن

نہیں کلک ۔ ہے بلبلِ خوشنوا — ترنم سرائے بیانِ سخن
کرے طے نہ کیوں عرصۂ نظم کو — وہ ہے اشہبِ خوش عنانِ سخن
اسی سے تو ہیں صید معنی شکار — یہی ہے خدنگِ کمانِ سخن
نہ کیوں قدر پائے جو ہر دم کہے — مرا سر ہے اور آستانِ سخن
اسے حال اُسکا ہے ومو زباں — یہی تو ہے گویا زبانِ سخن
ہے خوبی بندش میں کیا دلکشی — اسی کو تو کہتے ہیں جانِ سخن
بھلا ہو سکے کیا کوئی نقب زن — ہے طبع متیں پاسبانِ سخن
ہے تکثیر معنی یہ اشعار میں — بجا ہے جو کہئے جہانِ سخن
وہ گلہائے الوانِ اشعار ہیں — بھرا جن سے ہے بوستانِ سخن
نہ کیوں زور دکھلائے فکرِ متیں — وہ ہے رستمِ ہفت خوانِ سخن
یہ دیوان ہوا طبع اس واسطے — کہ دیکھیں اسے قدردانِ سخن
وہ سرخوش ہوں اس بادۂ ناب سے — کدھر ہیں کدھر میکشانِ سخن
پئے سالِ تاریخ مجروح نے — کہا ہے یہی گلستانِ سخن
۱۳۱۶ھ

قطعہ تاریخ دیوان میر امراو میرزا صاحب المتخلص بہ انور برادر خورد حضرت سید ظہیر الدین صاحب ظہیر

شاعر آسماں خیال انور — سب میں قائل جسکی ہے طلاقت کا
ان کا دیوان صفائی معنی سے — بحرِ ذخار ہے سلاست کا

ہیں جو اشعار در نثار اس میں — ان کا کیا وصف ہو لطافت کا
شورش افزائے مضامیں سے نے — رنگ پھیکا کیا قیامت کا
کم ہیں الفاظ اور بہت مضموں — کیسا برتاؤ ہے بلاغت کا
ان کی فکر متین سے الحق — رتبہ افزوں ہوا متانت کا
تھی تلاش معانیِ تازہ — شوق جدّت سے تھا نہایت کا
ہے ہر اک شعر میں نیا مضموں — کیا ٹھکانا ہے اس ذہانت کا
طبع اس واسطے ہوا دیواں — ماحصل اسکی ہے یہ غایت کا
ہوگی اہلِ مذاق کی دعوت — تا مزا پائیں اس حلاوت کا

بہرِ تاریخ یوں ندا آئی
ہے خزینہ یہی فصاحت کا
١٣١٧ھ

قطعہ تاریخ وفات جناب نواب محمد علی خانصاحب مرحوم رئیس جہانگیر آباد

زہے امیر محمد علی بخاں مشہور — کہ بد عقیل و فہیم و ذکی و خوش تقریر
زفیض بذل و عطا بود در زمانہ ثمر — بہ نظم و نثر سخن بود بے عدیل نظیر
ہزار حیف کہ آں قدر دانِ اہلِ ہنر — بسوئے ملک بقا شد ازیں سرا رہ گیر
پئے سنین وفاتش خرد بمن فرمود — بگوئے رفت ز دنیا امیر ابن امیر
١٣١٧ھ

تاریخ بناء مکان عالیجناب حکیم غلام رضا خانصاحب

غلامِ رضا خاں ارسطوئے عہد — مکانِ بنا کرد بس جانفزا
عیاں گشتہ تاریخ تعمیر او — بہ فرخ مکان و مبارک بنا
١٣١٣ھ

(اشفاق احمد بریلوی تحریر نمود)